کس حال میں ہیں یارانِ وطن

تھائی لینڈ میں احمدیت کا تاریخی سفر

مدثر احمد نقاش

کس حال میں ہیں یارانِ وطن

مدثر احمد نقاش

Ahmadiyyat in Thailand

Mudassir Ahmad Naqqash

A Brief Account of the Circumstances Faced by the Ahmadis During their Asylum in Thailand

ISBN: 978-81-929735-3-1

کس حال میں ہیں
یارانِ وطن

تھائی لینڈ میں اسائلم کے دوران (2008ء سے 2012ء تک)
پاکستانی احمدیوں پر گزرنے والے حالات کا مختصراً تذکرہ

مدثر احمد نقاش

نام کتاب : کس حال میں ہیں یارانِ وطن

مصنف : مدثر احمد نقاش ۔فِن لینڈ

پتہ :

Kaustisenpolku 1 E 095. 00420.
Helsinki, FINLAND
Ph. +358-40-779-8499
nayabadd@hotmail.com

سن اشاعت : 2018ء

تعداد : 1000

The Historical Journey of Ahmadiyyat In Thailand

by

Mudassir Ahmad Naqqash - Finland

انتساب

یہ کتاب میں نے ان احمدی اسیران کے نام لکھی ہے جنہوں نے تھائی لینڈ میں دورانِ اسیری بے حد تکالیف و مصائب کا سامنا کیا اور ان کی قربانیاں جماعت کی بے انتہا ترقی کا موجب بنیں۔ اس کتاب کی تیاری میں جن احبابِ جماعت نے میری بھرپور مدد کی ان میں مکرم اونگ کرنیا صاحب مشنری انچارج تھائی لینڈ، مکرم جمعہ خان صاحب معلم سلسلہ، مکرمہ شائستہ اکرام صاحبہ صدر لجنہ حلقہ سوتھی سان (sutthisan)، مکرم نعیم احمد مجوکہ صاحب جنرل سیکرٹری حلقہ سوتھی سان اور خاکسار کی اہلیہ مکرمہ نسیم اختر صاحبہ شامل ہیں۔ احباب جماعت سے عاجزانہ التماس ہے کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو خلافتِ احمدیہ کے ساتھ محبت خلوص اور وفا کے تعلق میں بڑھاتا چلا جائے اور ہماری ہجرت کو اپنی راہ میں قبول کرتے ہوئے ہمیں اپنی رحمتوں و فضلوں کا وارث بنائے اور دین کا سچا خادم بنائے۔ آمین ثم آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَحۡمَدَ الۡمَوۡعُوۡدِ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	انتساب	3
2	مصنف کا ذاتی تعارف	6
3	مکتوب مبارک سیدنا حضور انور خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	8
4	پیش لفظ ۔ محترم محمود احمد ملک صاحب	9
5	تعارف	12
6	تھائی لینڈ میں جماعتِ احمدیہ کا آغاز	13
7	تھائی لینڈ کے لئے میری روانگی اور یہاں پہنچنا	16
8	مجھے I.D.C دیکھنا پڑی	21
9	ایک قیامت ٹوٹ پڑی	27
10	میری تو داستاں سُن کر بیچارہ غم بھی سر پٹکے	27
11	محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب کا دورۂ تھائی لینڈ	34
12	I.D.C کے اندرونی سخت و تلخ حالات	39
13	خلافت کے سائے میں اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت کے ایمان افروز نظارے	65

14	محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب آف UK کی تھائی لینڈ آمد اور خوشگوار حالات کا آغاز	68
15	پاکستانی رفیوجی احباب کے لئے نظامِ جماعت کا باقاعدہ قیام	78
16	اظہارِ تشکر	86
17	نظم۔ہجرت۔از مدثر احمد نقاش	89
18	نظم۔اس خوف کی فضا میں ملے امن اور سکوں۔از عبدالکریم قدسی	92

خاکسار کا ذاتی تعارف

خاکسار کے آباء واجداد کا تعلق کشمیر (پونچھ) کے علاقہ کنوئیاں سے ہے۔ میرے دادا جان محترم سردار سلطان صاحب عرف کالا خان نے 1934ء میں قادیان جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خاکسار کے والد محترم لیفٹیننٹ قریشی محمد اسلم صاحب 1947ء میں ہجرت کر کے کشمیر سے پاکستان کے ضلع اٹک کے گاؤں کسراں (Kisran) میں آئے۔

1971ء میں خاکسار کی پیدائش ہوئی۔ میٹرک تک تعلیم گاؤں میں حاصل کی اور پھر 3 سالہ الیکٹریکل انجینئرنگ ڈپلومہ نوشہرہ کالج سے حاصل کیا اور 1999ء میں خاکسار اپنے والدین واپنی فیملی کے ہمراہ ربوہ میں آباد ہوا۔ 2008ء میں خلافت جوبلی کا عہد کیلینڈرز پر پرنٹ کرنے کے الزام میں جھنگ جیل میں ایک ماہ کی اسیری کا اعزاز حاصل ہوا۔

دسمبر 2009ء میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تھائی لینڈ میں آ گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے 26 اپریل 2012ء کو مجھے میری فیملی کے ساتھ شمالی یورپ کے خوبصورت ترین ملک فن لینڈ میں پہنچایا جہاں اس وقت آباد ہوں۔

تھائی لینڈ کے حالات پر یہ کتاب خاکسار نے 2010ء سے 2012ء تک لکھی جو 2012ء میں اپنے پیارے آقا کے ساتھ ذاتی ملاقات کے دوران خدمت اقدس میں پیش کی گئی۔ اس پر پیارے آقا کی طرف سے شفقت بھرا خط موصول ہوا جس میں اس کتاب

کوشائع کرنے کا ارشاد موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلافت سے ہمیشہ وفا کرنے والا بنائے اور اپنی بے شمار رحمتوں اور برکتوں سے نوازتا رہے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اس قدر خستہ و بوسیدہ ہے میرے اندر کا نقاشؔ
ٹھیک کرتا ہوں تو کم بخت کے مٹنے کا گماں ہوتا ہے

والسلام

8اپریل2018ء خاکسار

مدثر احمد نقاش

مکتوب مبارک
حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

وَاجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا
إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ
امام جماعت احمدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

لندن
13-9-12

مکرم مدثر احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تھائی لینڈ کے احمدیوں کے حالات کے بارہ میں آپ کا تفصیلی مضمون موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ماشاء اللہ آپ نے اچھی معلومات اکٹھی کی ہیں۔ اس کو چھپوالیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان اور اخلاص میں برکت دے۔ ہمیشہ اپنی رضا اور قرب کی راہوں پر چلائے اور جملہ نیک مرادیں پوری فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

فن لینڈ

پیش لفظ

(ازقلم محترم محمود احمد ملک صاحب، مدیر رسالہ انصارالدین، یوکے)

ہر ذی شعور جانتا ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز پر اُس کا عملی اختیار بیحد محدود ہے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات اور ارادوں کو عملی جامہ پہنانا ہو یا ناگہانی پیش آمدہ حالات کا مقابلہ کرنا ہو تو قدرت کی عطا کردہ استعدادوں اور اپنے زمانۂ حال پر کسی قدر دسترس رکھنے کے باوجود بھی انسانی اختیار دراصل ایسا ہی ہے گویا سمندر کی چھاتی پر جنم لیتی چلی جانے والی تندوتیز لہروں میں بہتے چلے جانے والے کے ہاتھ لکڑی کا کوئی آوارہ تختہ، کسی شجر کی جھکی ہوئی ٹہنی یا کنارے پر اُگنے والی گھاس کے چند تنکے ہی لگ جائیں اور گویا اپنی بقا کی جدوجہد کرنے والے نفس کو ایسا سہارا مل جائے کہ جس کے طفیل اُس کے زمانۂ ماضی اور زمانۂ مستقبل میں واضح تفریق نظر آنے لگے۔ ہر دو زمانوں کے حالات اور واقعات میں دکھائی دینے والا فرق اتنا ہی نمایاں ہوگا جتنا کہ دونوں زمانوں کی لکیروں کے درمیان پیدا ہونے والے زاویہ (یعنی زمانۂ حال میں کی جانے والی مساعی اور درست سمت میں کئے جانے والے فیصلوں) میں کامیابی کی مقدار ہوگی۔

کئی دہائیوں سے پاکستان کے مجبور اور مظلوم احمدی، جب اپنے ہی گھروں میں اس طرح سے محصور کر دیئے گئے کہ اُن کے لئے اپنے خدا کا نام لینا بھی جرم بن جائے۔ بلکہ اُن کے مذہبی عقائد پر قدغن تو ایک طرف رہی، اُن کو اُن کے بنیادی انسانی حقوق سے بھی

محروم کر دیا جائے۔ رحمۃٌ لِلعالمین کے نام پر اُن کے منہ سے روٹی کے نوالے، اُن کے بچوں سے علم کی روشنی، اُن کے چہروں سے مسکراہٹ حتیٰ کہ اُن کی زندگیوں سے سانسیں چھیننے کے قانونی جواز بھی فراہم کرنے کی کوششیں کی جاتی ہوتو ایسے دردناک حالات میں صبح سے شام کرتے ہوئے اپنی زندگی تمام کرنے کی بجائے بعض ایسے بھی جوانمرد ہوتے ہیں جو اپنی قسمت آزمانے کے لئے سمندر کی بپھری ہوئی موجوں میں کُود جانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ وہ بلند و بالا برفانی پہاڑوں سے گزر کر ایک ایسی نئی دنیا کی تلاش میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں جہاں اُن کے عقیدے کی وجہ سے اُنہیں موردالزام نہ ٹھہرایا جائے۔ اپنے وطن میں وہ قربانیاں پیش کرنے سے خوف نہیں کھاتے بلکہ انسان نما ایسے درندوں سے ڈرتے ہیں جنہوں نے سیّدومولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے وجود کو نہ صرف ماننے سے انکار کر دیا، بلکہ اُس کی تحقیر اور عداوت میں اس قدر بڑھتے چلے گئے کہ امامِ الزمان کی آواز پر لبّیک کہنے والوں کا اپنے ہی وطن میں سانس لینا بھی اُن کے لئے ناقابلِ برداشت اذیّت کا باعث بننے لگا۔

چنانچہ ایسے ہی مصیبت زدہ چند خاندان (ہجرت کی برکات کو سامنے رکھتے ہوئے) جب اپنے گھروں سے نکلے تو منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اُن کے لئے کئی ابتلا مقدّر تھے۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والے ایک ابتلا کی تصویر کشی ہمارے بھائی مدثّر احمد نقّاش صاحب نے اپنے مضمون میں کی ہے۔ یقیناً اس مضمون میں بیان کی جانے والی حکایات محض پڑھ کر آگے گزر جانے کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کا ہر ورق ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم اپنی دعاؤں میں مستقل طور پر اپنے اُن بھائیوں کو یاد رکھیں جو پاکستان اور بعض دیگر

ممالک میں مختلف قسم کے ابتلاؤں کا شکار ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے لئے پُرامن ترقیات کے نئے ادوار جاری فرمائے۔ ہر احمدی کے لئے دینی و دنیاوی ترقیات کی نئی راہیں کھلتی چلی جائیں۔ احمدیوں کے ایمان اور اخلاص میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے۔ خلافت کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔ خلیفۂ وقت کی دعاؤں سے ہم اور ہماری نسلیں ہمیشہ فیضیاب ہوتی رہیں اور خلفائے کرام کو سچے مشیر اور سلطان نصیر کے طور پر ایسے خدّام ہمیشہ عطا ہوتے رہیں جو اپنے آقا کے اشارے پر ہر ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ایسے تمام خدّامِ احمدیت کی خدمات کو قبول فرمائے اور دین و دنیا کی حسنات سے نوازے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

محمود احمد ملک

مدیر رسالہ انصارالدین یو کے

تعارف

تھائی لینڈ کا پورا نام Kingdom of Thailand ہے۔ یہ دنیا کے نقشہ پر ایشیا کے جنوب میں واقع ہے، اس کا کُل رقبہ تقریباً 514,000 sq km ہے اور اس کے 76 صوبے ہیں۔ اس کی کُل آبادی 2010ء تک تقریباً 67,764,000 ہے۔ یہاں کا دارالحکومت بنکاک Bangkok ہے اور مذہب کے لحاظ سے یہاں کی اکثریت بدھ مت (Buddhist) ہے جبکہ مسلم آبادی صرف پانچ فیصد ہے۔ یہاں کے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں ہندو، عیسائی اور سکھ ہیں۔

یہاں کا موسم قدرِ گرم مرطوب ہے۔ شمالی تھائی لینڈ میں سال بھر میں تین جبکہ جنوبی میں صرف دو موسم ہوتے ہیں جن میں نومبر سے مئی تک زیادہ تر موسم خشک اور قدرِ گرم ہوتا ہے اور مئی میں مون سون کی ہواؤں کی وجہ سے یہاں کے تمام اور خاص کر شمالی علاقوں میں شدید بارشیں شروع ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے جون تا اکتوبر تک موسم قدرِ سرد ہو جاتا ہے اور ٹمپریچر 18 سے 8 سنٹی گریڈ تک آجاتا ہے۔ مارچ تا مئی موسم گرم ہوتا ہے۔

تھائی لینڈ کی کرنسی تھائی باتھ کہلاتی ہے جس کی 2012ء میں ایک امریکن ڈالر کے مقابلہ میں قیمت 30 باتھ تھی۔

ایک پُر امن ملک ہونے کے ناطے یہاں پر Tourist اور foreign investment بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کی حدود برما، لاؤس، کمبوڈیا، ویتنام،

ملائیشیا اور انڈونیشیا سے ملتی ہیں جبکہ کافی وسیع سمندری حدود اور اس کے خوبصورت ساحلی جزائر اس کی سیاحت اور معیشت کے اہم ستون ہیں۔

یہاں کا بادشاہ چیف آف سٹیٹ جبکہ وزیر اعظم ہیڈ آف سٹیٹ ہوتا ہے۔ موجودہ بادشاہ The Great Somdet Phra Pathara Maharat مورخہ 5 دسمبر 1927ء کو پیدا ہوئے اور 9/ جون 1946ء سے آپ بادشاہ چلے آرہے ہیں۔

تھائی لینڈ میں جماعت احمدیہ کا آغاز

تھائی لینڈ میں پہلے احمدی مکرم اے پی باوا صاحب تھے جو کیرالہ (Kerala) انڈیا میں پیدا ہوئے اور بعد میں رنگون (برما) آ گئے جہاں ان کو بفضلہ تعالیٰ احمدی مبلغ کے ذریعہ احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ وہ 1950ء کے اوائل میں تھائی لینڈ میں آ گئے جہاں شمالی تھائی لینڈ کے ایک علاقہ سے تعلق رکھنے والی تھائی عورت سے شادی کی اور اپنے خاندان کی یہاں پر بنیاد رکھی۔ انہوں نے کیرالہ و برما کی جماعت سے بھی مسلسل رابطہ رکھا اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کے ذریعہ تھائی لینڈ میں احمدیت قبول کرنے والے پہلے شخص مکرم محمد یوسف صاحب ولد حسن گُل صاحب تھے جن کا خاندان بٹگرام (Battagram) صوبہ خیبر پختونخواہ (پاکستان) سے دوسری جنگِ عظیم کے دوران تھائی لینڈ آیا تھا۔

محترم محمد یوسف صاحب نہایت مخلص احمدی، نمازی اور تقویٰ شعار انسان تھے۔ آپ کو تھائی لینڈ میں پہلے احمدی ہونے کا اعزاز حاصل تھا اس لئے آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس تھا۔ آپ ہمیشہ دوسروں تک احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پیغام پہنچانے میں

کوشاں رہے۔علاوہ ازیں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کا تھائی زبان میں ترجمہ طبع کروانے کے لئے کُل اخراجات جو تقریباً 150000 تھائی باتھ (5000امریکی ڈالر) بنتے ہیں، اپنی جیب سے ادا کئے۔آپ نے اپنے بیٹے مکرم جمعہ خان صاحب کو دین کے رستہ میں وقف بھی کیا جواب الحمدللہ انڈونیشیا سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تھائی لینڈ میں بطورِ معلّم خدمت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

تھائی لینڈ میں 1990ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر مکرم رفیق چانن (Tschannen) صاحب کی زیرِ صدارت با قاعدہ جماعت کی تشکیل ہوئی۔اس وقت صرف مکرم اے پی باوا صاحب اور مکرم محمد یوسف صاحب کے اہلِ خانہ کے افراد یہاں کی جماعت میں شامل تھے۔محترم چانن صاحب کو 1999ء میں تھائی لینڈ سے واپس جانا پڑا تو انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے احمدی مبلغ مکرم اونگ کرنیا صاحب صدر مقرر ہوئے جو 1993ء سے ساؤتھ تھائی لینڈ میں خدمت کر رہے تھے۔آپ تھائی لینڈ کے پہلے مشنری انچارج کے طور پر بھی تا حال خدمت بجالا رہے ہیں۔اس کے علاوہ یہاں مکرم حسن بصری صاحب مبلغ و مشنری انچارج سنگاپور نے بھی کچھ عرصہ اپنی خدمات پیش کیں۔کچھ سال بعد بدھ مت سے تعلق رکھنے والی ایک تھائی خاتون محترمہ ڈاکٹر ثریا صاحبہ نے بیعت کر کے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔وہ اپنی میڈیکل کی مزید تعلیم کے لئے پاکستان بھی گئی تھیں۔اب وہ تھائی لینڈ میں نیشنل صدر لجنہ کے طور پر خدمت کر رہی ہیں۔علاوہ ازیں ایک اور احمدی مبلغ مکرم ابو محی الدین صاحب 1992ء سے تھائی لینڈ میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔آپ کا بھی انڈونیشیا سے تعلق ہے اور آپ مکرم اے پی باوا صاحب کے

داماد ہیں۔ آجکل جماعت احمدیہ تھائی لینڈ کی بان کھے مجلس (جو پاکستانی احمدی رفیوجی لوگوں پر مشتمل ہے) میں خدمت کر رہے ہیں۔

یوں اس وقت تھائی لینڈ میں تین جماعتی وقفِ زندگی احباب خدمت کر رہے ہیں جن میں مکرم اونگ کرنیا صاحب صدر و مشنری انچارج، مکرم جمعہ خان صاحب معلم اور مکرم ابنِ محی الدین صاحب مبلغ تھائی لینڈ شامل ہیں اور 2012ء تک مقامی تھائی احمدی احباب کی تعداد تقریباً 90 تھی جو باقاعدہ طور پر نظام میں شامل تھے۔

ان کے علاوہ 2008ء سے دسمبر 2010ء تک یہاں آکر پاکستانی احمدیوں کا اسائلم کرنے کا سلسلہ جاری رہا جن کی تعداد 350 سے زائد بنتی تھی جو کہ اب اگلے ملکوں میں شفٹ ہونے کی وجہ سے روز بروز کم ہو رہی ہے تاہم چند نئے لوگ پاکستان سے مزید یہاں آئے بھی ہیں۔

یہاں کے پانچ بڑے جماعتی حلقے ہیں جن میں ساؤتھ تھائی لینڈ جہاں مقامی تھائی احمدی لوگ آباد ہیں۔ دوسری پریکسا سوسائٹی جہاں مشن ہاؤس واقع ہے۔ تیسری سوتھی سان اور چوتھی چران سانٹ وائنگ اور پانچویں مجلس بان کھے ہے۔ تاہم کچھ احمدی احباب دوسرے علاقوں میں بھی آباد ہیں۔

اس وقت قرآنِ پاک کا تھائی زبان میں مکمل ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح ’’ہماری تعلیم‘‘ اور مخصوص احادیثِ مبارکہ و مخصوص تحریرات حضرت مسیح موعودؑ اور کچھ دوسری کتب سلسلہ کے تھائی زبان میں تراجم بھی ہو چکے ہیں جن کی تفصیل 2008ء تھائی لینڈ میں شائع ہونے والے SOUVENIR میں درج ہے۔

تھائی لینڈ کیلئے میری روانگی اور یہاں پہنچنا

خلافت جوبلی کے عظیم الشان جشن کے مبارک موقع پر ربوہ میں میرے سمیت سولہ دوکاندار احباب کے خلاف 05-09-2008 کو دفعہ 298/B. 298/C کے تحت مقدمہ بنایا گیا جس پر خاکسار اپنے ساتھ تقریباً آٹھ ربوہ کے دکانداروں کے ہمراہ 5/10/2008 سے 30/10/2008 تک جھنگ جیل میں اسیر راہ مولیٰ رہا (الحمدللہ)۔ اس کے بعد ملکی حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے پاکستان چھوڑنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اپنے کاروبار کو سمیٹنے اور فیملی کے سفری کاغذات بنوانے میں میرا ایک سال کا عرصہ لگا اور اس طرح میں اپنی اہلیہ اور چار بچوں کو ساتھ لے کر 17/12/2009 بروز جمعرات تھائی ٹائم کے مطابق رات 9:20 پر بنکاک ائیر پورٹ پر اترا اور ضروری چیکنگ کے بعد رات 11:00 تک ائیر پورٹ کے باہر آ گیا جہاں ایک احمدی دوست مجھے لینے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہاں سے ہم لوگ بذریعہ ٹیکسی بنکاک سے تقریباً 60/70 کلومیٹر شمال میں واقع ایک خوبصورت شہر RANGSIT (رنگ سٹ) کی طرف روانہ ہوئے۔ رات ایک ہوٹل میں بسر کی اور صبح سویرے ہی وہاں سے چند احمدی دوستوں کے ذریعہ (روسا) ROSA نام کے ایک اپارٹمنٹ میں مستقل کمرہ لیا جہاں پہلے بھی دو تین احمدی خاندان رہائش پذیر تھے۔

اگلے دن ہفتہ اور اتوار کی چھٹی تھی چنانچہ اگلے دن میں اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ UNHCR کے دفتر میں پیش ہوا اور اسائلم کے لئے زبانی درخواست پیش کی۔ انہوں نے ہمارے تفصیلی کوائف ہم سے حاصل کیے۔ بچوں کی تاریخ پیدائش تمام پاسپورٹوں کی کاپی اور خاندانی تعارف نوٹ کرنے کے بعد ہمیں اسائلم نمبر پر مبنی فرداً فرداً ایک سرٹیفکیٹ

دیا گیا (جسے اسائلم سرٹیفکیٹ اور کیس پاس ہونے کے بعد رفیوجی سرٹیفکیٹ کہتے ہیں) اس پر تھائی پولیس اور امیگریشن کے نام تھائی اور انگلش زبان میں یہ درخواست لکھی تھی کہ اس شخص نے یہاں اسائلم کیا ہے اور اس کو ضروری کارروائی مکمل ہونے کے بعد کسی دوسرے ملک میں شفٹ کر دیا جائے گا، نیز یہ سرٹیفکیٹ اور اس پر لکھا ہوا نمبر ہمارے کیس کی پہچان تھی اور ہر تین ماہ بعد اس کو دوبارہ بنوانا ضروری تھا۔جبکہ کیس پاس ہونے کی صورت میں اس کا عرصہ ایک سال ہو جاتا تھا۔اس کو ہر وقت ہمیں جیب میں رکھنے کی ہدایت تھی۔

اسی موقع پر UNHCR کے ترجمان نے ہمیں چند ہدایات، تھائی قانون کے چند پہلو اور اسائلم کے مختلف مراحل بتانے کے علاوہ ایک نہایت ہی حیرت انگیز انکشاف بھی کیا کہ تھائی پولیس آپ کا ویزہ ختم ہونے کے بعد آپ کو کسی بھی وقت گرفتار کر سکتی ہے کیونکہ اقوامِ متحدہ کے 1951ء کے Refugee Geneva Convention کے تحت ہونے والے عالمی معاہدے پر تھائی لینڈ حکومت نے ابھی تک دستخط نہیں کئے ہیں لہٰذا ایسی صورت میں ہمارا یہ ادارہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔اس لئے آپ یا تو ویزہ لے کر رہیں اور یا نہایت چھپ کر زندگی گزاریں۔(یہاں یہ بھی بتا تا چلوں کے خاکسار کا تھائی ویزہ صرف اڑھائی ماہ کا تھا اور آگے ایک سال کی ویزہ مدت حاصل کرنے کی ایک بالغ آدمی کی فیس تقریباً 30000 باتھ تھی جو پاکستانی تقریباً 90000 ہزار روپے بنتے ہیں)

بہر حال نہایت پریشانی کے ساتھ ہم لوگ واپس اپنی رہائش گاہ پہنچے۔ باقی احمدی احباب سے ملاقات ہوئی تو حالات سے آگاہی ہوتی گئی۔ پتہ چلا کہ یہاں تھائی لینڈ میں تین سو سے زائد لوگ اسائلم سیکرز ہیں جو تقریباً تمام ویزہ کے بغیر ہی گزارہ کر رہے اور ان

میں سے اکثریت بنکاک کی دوجگہوں پر آباد ہیں۔ایک وہ جگہ جہاں ہمارا احمدیہ مشن ہاؤس ہے اور اس کا نام پریکسا (PRUKSA) سوسائٹی ہے۔اس علاقہ میں تین کمروں پر مشتمل ڈبل سٹوری گھر تھے جن میں ہماری سب سے بڑی جماعت آباد تھی یعنی قریباً 130 کے قریب پاکستانی احباب جماعت یہاں آباد تھے،اس کے بعد دوسری بڑی تعداد میں احمدی رنگ سٹ RANGSIT کے علاقہ میں آباد تھے جہاں سنگل کمروں پر مشتمل اپارٹمنٹ تھے اور ان میں 100 کے قریب احمدی احباب کی تعداد تھی اور خاکسار نے بھی رہائش یہیں رکھی تھی۔باقی دوست مختلف علاقوں میں آباد تھے۔

بہرحال جوں جوں وقت گزرتا گیا حالات وواقعات سے آگاہی ہوتی گئی اور یوں جمعہ کا دن آ گیا۔میں اپنی فیملی کے ساتھ مشن ہاؤس میں جمعہ پڑھنے چلا گیا۔خطبہ جمعہ کے آخر میں ایک دعا کا علان ہوا کہ ہمارے جو افراد I.D.C میں ہیں احباب ان کی رہائی کے لئے دعائیں کریں۔اس اعلان نے مجھے سخت پریشان کر دیا۔مجھے I.D.C کے بارے کوئی معلومات نہیں تھی چنانچہ بعد نمازِ جمعہ میں نے چند دوستوں سے جب پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ IMMIGRATION DETENTION CENTRE کا مخفف ہے جبکہ چند احمدی لوگ میرے آنے سے قبل گرفتار ہو چکے تھے جن میں تین احمدی لڑکے ستمبر 2009ء کو گرفتار ہوئے تھے جن میں سے ایک لڑکا پاکستان واپس چلا گیا اور دو ابھی قید ہی ہیں، نیز ایک لڑکا اور ایک احمدی خاتون جس کو تھائی لینڈ میں آکر بیٹا پیدا ہوا تھا وہ اپنے 25/26 دن کے بیٹے اور بھائی کے ہمراہ گرفتار ہوئی اور ایک یا ڈیڑھ ماہ قید رہنے کے بعد واپس پاکستان چلی گئی۔مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ سری لنکا، نیپال اور افریقہ کے سینکڑوں کی تعداد میں اسائلم سیکرز اور رفیوجی پناہ گزین کئی سالوں سے I.D.C میں قید ہیں اور اندر رہ کر ہی اپنے کیس کا

انتظار کر رہے ہیں۔UNHCR میں جن اسائلم سیکرز کا کیس پاس ہو جائے وہ رفیوجی کہلاتا ہے۔

یہ صورت حال میرے لئے نہایت ہی پریشان کن تھی دوسری طرف میرا ویزہ 14/02/2010 کو ختم ہو رہا تھا، اور ابھی تک میرا UNHCR میں صرف پہلا بنیادی انٹرویو ہوا تھا۔ جبکہ اس کے بعد رجسٹریشن انٹرویو، پھر R.S.D انٹرویو اور اس کے بعد کم از کم تین ماہ بعد رزلٹ کا مرحلہ باقی تھا اور صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ مجھ سے قبل تمام احمدیوں میں سے صرف تین خاندانوں کے کیس پاس تھے جن کو آئے ہوئے ڈیڑھ سے دو سال کا عرصہ ہو چکا تھا اور باقی تمام ابھی ابتدائی مراحل میں تھے۔ جبکہ بنیادی انٹرویو کے بعد چھ سات ماہ تک رجسٹریشن ہو رہی تھی اور اسی طرح اوپر بیان شدہ کیس کے مراحل کے ہر مرحلہ میں سات آٹھ ماہ سے زائد عرصہ لگ رہا تھا۔ اور اس سے بھی بڑی پریشانی یہ کہ کیس پاس ہونے کی شرح تقریباً تین فیصد سے بھی کم تھی۔ زیادہ تر احمدی احباب کے کیس مسترد ہو رہے تھے اور فیصلہ آنے تک معین عرصہ بھی بہت زیادہ لگ رہا تھا جبکہ چار سے پانچ افراد پر مشتمل خاندان کا نارمل ماہوار خرچ پاکستانی تقریباً 40,000 سے 50,000 تک تھا اور کیس فیل کی صورت اس سے کہیں زیادہ مایوس کن تھی۔ اپیل کرنا اور پھر فیصلے کا انتظار کرنا بے حد مشکل اور تکلیف دہ تھا اور اپیل مسترد ہونے کی صورت میں درخواست UNHCR میں بند ہو جاتی تھی اور پھر نئے سرے سے اپنی فائل کھلوانا ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔

اس ساری صورتِ حال کے بعد اگر کسی کو یہاں سے مجبوراً پاکستان واپس جانا پڑے تو وہ بھی ایک سخت امتحان کے مشابہ لگتا تھا۔ یہ وہ مایوس کن حالات تھے جو آہستہ آہستہ

ہمارے دماغ پر پہاڑ بن کر سوار ہو رہے تھے۔ میں اپنے تھائی لینڈ آنے کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے لگا لیکن ساتھ ہی ایک احمدی ہونے کے ناطے میرا خیال دعاؤں کی طرف گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بچوں کو ساتھ بٹھایا اور ہم نے اجتماعی دعا کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرے چار بچے ہیں اور الحمدللہ چاروں وقفِ نو میں شامل ہیں جن میں سب سے بڑی بیٹی عزیزہ دُردانہ طوبیٰ (اُس وقت) عمر دس سال۔ بیٹا عزیزم مطہر احمد دانش عمر آٹھ سال، بیٹی عزیزہ فیضیہ نایاب عمر پانچ سال اور سب سے چھوٹا بیٹا عزیزم عارفین احمد عمر ایک سال ہے۔

حضورِ انور کی خدمت میں دعائیہ خط لکھنے کے علاوہ ہم نے باجماعت پنج وقتہ نماز اور نماز تہجد کا پروگرام بنایا جس میں ایک چھوٹے بیٹے کے علاوہ تمام گھر والے شامل ہوتے اور گھر میں روزانہ نماز کی حاضری کا بھی بندوبست کیا گیا تا کہ ہر ماہ کے آخر میں نماز حاضری میں اول، دوئم اور سوئم آنے والے بچے کو انعامات بھی دیے جاسکیں۔

چنانچہ شاید ان دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ حیرت انگیز طور پر میری رجسٹریشن کی کال مجھے جلد ہی آ گئی اور صرف دو ماہ میں ہی یعنی 21/02/2010 میرا رجسٹریشن انٹرویو ہو گیا جس پر تمام احمدی کافی خوش ہوئے اور سب کو اس جلدی پر امیدیں بھی بر آئیں۔لیکن اس کے اگلے چند دنوں میں نہایت ہی پریشان کن خبریں دوبارہ بنکاک میں نشر ہونے لگیں کہ سری لنکا کے کئی اسائلم سیکرز اور رفیوجیز پناہ گزینوں کو بنکاک کے مختلف علاقوں سے گرفتار کر لیا ہے۔ چنانچہ خوف کے سائے ہمارے سروں پر دوبارہ منڈلانے لگے۔ اب تو خاکسار کا ویزہ بھی ختم ہو چکا تھا اور دعا کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ میں حضورِ انور کی خدمت جتنے دعائیہ خط لکھتا ہر ایک کے اوپر یہ شعر ضرور لکھتا:

عصرِ بیمار کا ہے مرض لا دوا، کوئی چارہ نہیں اب دُعا کے سوا
اے غلامِ مسیح الزّماں ہاتھ اُٹھا، موت آ بھی گئی ہو تو ٹل جائے گی

دوسری طرف سری لنکا اور کئی دوسرے ممالک کے اسائلم سیکرز اور رفیوجیز کی روزانہ پکڑ دھکڑ جاری تھی بے شمار لوگوں کو امیگریشن پولیس نے گرفتار کر کے I.D.C میں قید کر لیا۔ اور اندر قیدیوں کی طرف سے آنے والی اطلاعات کے مطابق جس کمرہ میں تیس افراد کی گنجائش تھی اُس میں ساٹھ اور ستر قیدی بند تھے۔ ایک خوفناک قسم کی صورتِ حال بنتی جا رہی تھی۔ ہر احمدی اپنے اپنے کمروں میں تقریباً بند ہو گیا تھا۔ اگر خوراک وغیرہ کے لئے نکلنا بھی پڑتا تو صرف رات کو نکلتے۔ کچھ نئے آنے والے احمدی ان مایوس کُن حالات کو دیکھتے ہوئے واپس پاکستان جا رہے تھے۔ اوپر سے جن احباب کے آئے دن کیس مسترد ہوتے وہ بھی اپیل کرنے سے پاکستان واپس جانے کو ترجیح دے رہے تھے۔ ان حالات کے دوران ایک بہت بڑی پریشانی نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔

مجھے I.D.C دیکھنا پڑی

18/03/2010 کو خاکسار اور میرے دو دوست مکرم رفیع احمد صاحب اور مکرم محمد قاسم بھٹی صاحب پاکستان سے آئے ہوئے ایک مربی صاحب کو، جو چند دنوں سے ہمارے مہمان تھے، الوداع کرنے کے لئے اپنے بس سٹاپ تک گئے۔ ابھی مربی صاحب کو ائیرپورٹ جانے والی بس میں بٹھایا ہی تھا کہ اچانک ایک پولیس کی گاڑی ہمارے سامنے آ کر کھڑی ہوئی اور اس میں سے دو سادہ لباس پولیس والے ہمارے پاس آ گئے اور ہم سے پاسپورٹ دکھانے کو کہا۔ ہم نے اپنے UNHCR کے سرٹیفکیٹ دکھائے

جوانہوں نے دیکھے ہی نہیں اور ساتھ ہی انہوں نے ہمیں ہتھکڑیاں لگا کر گاڑی میں بٹھا لیا اور گاڑی ہائی وے جو اوور ہیڈ بنا ہوا روڈ ہے پر چلانا شروع کر دی۔ ہمارا تو دم نکل رہا تھا۔ میں نے UNHCR کے آفس میں فون کیا اور ان کی مدد چاہی اور بعد میں ہم لوگوں نے احمدی دوستوں سے بھی تعاون چاہا کیونکہ یہاں چند لوگ انڈین پولیس کے ساتھ مل کر لین دین کرتے ہیں اور پیسے دلوا کر بندے چھڑوا بھی لیتے ہیں۔

چنانچہ میرے چند دوستوں نے ایک انڈین ایجنٹ سے بات کی تو وہ 45000 باتھ پر مان گیا۔ یہ ساری معلومات ہمیں فون پر دوستوں سے مل رہی تھیں کہ اتنے میں ہمیں اپنی گاڑی I.D.C کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ وہ لوگ ہمیں ایک دوسری منزل پر قائم ایک دفتر میں لے گئے اور جاتے ہی ہماری ہتھکڑیاں کھول دیں۔ ہمیں کرسیوں پر بٹھا دیا گیا۔ اس وقت میری نظر ٹائم پر پڑی تو پریشانی اور بھی بڑھ گئی کیونکہ اس وقت سہ پہر 4:25 ہو رہے تھے اور آدھے گھنٹے بعد آفس کو بند ہو جانا تھا۔ پولیس کے تین چار آفیسرز آ کر ہم سے ملے اور واپس چلے گئے۔ ہم صرف دعاؤں کا ورد کر رہے تھے۔

حالات بظاہر بے حد پریشان کُن تھے لگتا تھا کہ اب انہوں نے ہمیں یہاں سے واپس جانے نہیں دینا اور ویسے بھی اس گیٹ سے جو ہتھکڑی پہنے ہوئے اندر آ جائے وہ باہر کبھی نہیں جاتا۔ یہ ہمارا یہاں کا ذاتی تجربہ بھی تھا اور یہاں کی ایک حقیقت بھی۔

ہمارے بالکل سامنے ایک کلرک سول کپڑوں میں ملبوس بیٹھا تھائی زبان میں ایک کاغذ پر کچھ لکھتا جا رہا تھا وہ اچانک آہستہ سے ہم سے مخاطب ہوا کہ پانچ بجے سے قبل جو کرنا ہے کر لیں ورنہ آپ کو اندر بند کر دیا جائے گا۔ اس کی بات پر ہم حیران بھی ہوئے اور

پریشان بھی۔ دراصل ہم یہاں کر کیا سکتے تھے۔ سوائے دعا کے اَور کوئی چارہ نہ تھا ہمارے پاس۔ اتنے میں میری فون کی گھنٹی بجی اور میرے دوست مکرم عبداللہ صاحب بولے کہ ہم نے 45000 باتھ کا بندوبست کرلیا ہے اور ہم ایک ایجنٹ کے ذریعے پولیس کے ساتھ یہ ڈیل کرنے جارہے ہیں۔ ابھی ان سے بات جاری ہی تھی کہ اس کلرک نے ہمیں مخاطب کیا اور فون بند کرنے کو کہا۔ ہم اس کے پاس گئے تو اس نے ایک تھائی زبان سے لکھے کاغذ پر ہمیں دستخط کرنے کو کہا اور ساتھ ایک عجیب سی آواز میں بولا کہ اس کاغذ پر دستخط کریں اور آپ لوگ چلے جائیں۔

یہ ایک حیران کن صورت حال تھی۔ ہمیں اتنا پتہ تھا کہ یہ ہم سے اس کاغذ پر دستخط کروانے کا بہانہ بنایا جارہا۔ چنانچہ ہم نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس سے دو باتیں کیں۔ ایک تو یہ کہ تحریر انگلش میں لکھو اور دوسرا UNHCR کے کسی آفیسرز کے آجانے پر ہم دستخط کریں گے۔ مگر وہ مسلسل ایک ہی بات کر رہا تھا کہ آپ صرف اس کاغذ پر دستخط کریں اور گھر کو جائیں۔ کافی بحث کے بعد مکرم محمد قاسم بھٹی صاحب نے دستخط کرنے کی حامی بھر لی چنانچہ انہوں نے دستخط کیے اور باہر نکل گئے۔ اب آگے شیشے کا آٹومیٹک دروازہ تھا جونہی وہ اس کے پاس پہنچے دو تین پولیس والے دوسرے کمرے سے نکل آئے اور ان کو پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔ یہ سارا ماجرا ہم بھی شیشے کے اندر سے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

بہرحال ہم نے بھی اب دستخط کر دینے کی ٹھان لی اور سوچا کہ اب جو بھی ہو دیکھا جائے گا۔ جس وقت ہم دونوں نے بھی دستخط کر دئے تو وہ کلرک ہمیں ساتھ لے کر مکرم محمد

قاسم بھٹی صاحب کے پاس لے آیا اور ہم تینوں کو اسی دروزے سے باہر نکال کر کہنے لگا کہ آپ لوگ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ ہم حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک عام سا کلرک ہمیں کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ خیر ہم باہر نکلے تو مکرم محمد قاسم بھٹی صاحب نے اس کلرک کے ماتھے پر پیار کیا اور بڑے قدم اٹھاتے ہوئے I.D.C کے مین گیٹ سے باہر آ گئے۔ روڈ کراس کی اور آنے والی ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور اسے بتایا کہ رنگسٹ چلو۔ ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی پہلا فون میں مکرم عبداللہ صاحب کو کیا اور پوچھا کے رقم ابھی دی تو نہیں؟ پتہ چلا کہ ابھی وہ راستے میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر تھا کہ رقم ابھی ایجنٹ کو ادا نہیں ہوئی تھی۔ مَیں نے اپنی رہائی کے بارے میں ان کو بتایا تو وہ وہیں سے واپس اپنے گھر کو چلے گئے۔

ہم لوگ تقریباً ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد گھر کو پہنچے اور اپنے بچوں سے ملاقات کی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کہ ہم معجزاتی طور پر رہا ہوئے اور یہ واقع اس حد تک ایک معجزہ کا رنگ رکھتا تھا کہ اس سے قبل یا اس واقع کے بعد کبھی کسی کو I.D.C کے اندر سے نہیں چھوڑا گیا۔ اور یہ سب حضور انور کی خصوصی اور ہمارے ماں باپ اور ہمارے اہلِ خانہ و یہاں کے تمام احمدی احباب کی عمومی دعاؤں کا اثر تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں گھر پہنچا تو میری چھوٹی بیٹی ابھی سجدہ میں روئے جا رہی تھی۔ بہر حال میں نے نماز پڑھی اور اپنے مولیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنے والد صاحب کو ربوہ میں خیریت کی اطلاع دی، یہاں ہم UNHCR کے وکیل جناب تھنا چارٹ صاحب کے بھی خاص شکر گزار ہیں کہ اس موقع پر وہ اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر فوراً I.D.C میں پہنچ گئے اور ہمارے حق میں کوشش کی۔

اس واقعہ کے چند دن بعد ہی دو تین اور بھی خوشخبریاں حاصل ہوئیں وہ یہ کہ دو

پاکستانی احمدی خاندانوں کا کیس پاس ہوگیا جبکہ دو کا مسترد بھی ہوا جو یہاں کے حالات سے تنگ اور مایوس ہوکر اپیل کرنے کی بجائے تین دن بعد واپس پاکستان چلے گئے۔

خیر..! کامیاب ہونے والی فیملیز کے پاس مبارکباد کے لئے دوستوں کا کافی دن آنا جانا رہا۔ کامیاب ہونے والوں میں ایک مکرم رفیع احمد صاحب اور دوسرے مکرم عبداللہ صاحب تھے جو پاکستان میں میرے خلاف بننے والے پولیس کیس میں ہی شامل تھے۔ چنانچہ ان کا اور میرا کیس چونکہ ایک ہی تھا اس لئے ان کی کامیابی کو میں نے اپنی کامیابی سمجھا اور میرا دل کافی مطمئن ہوا۔ وقت اسی طرح گزرتا رہا اور ہم لوگ خوف کے سائے میں چھپتے چھپاتے گزارا کرتے رہے۔

اس دوران چند اور احمدی لوگوں کے کیس مسترد ہوتے رہے اور ان میں سے سوائے دو لوگوں کے اکثر اپیل کی بجائے واپس پاکستان جاتے رہے۔ حالات اتنے سنگین تھے کہ چند احمدی احباب نے UNHCR کو درخواست دے کر جبراً اپنے رزلٹ مانگے جو کافی عرصہ سے لیٹ تھے وہ مسترد کی صورت میں ہی ان کو ملے اور وہ بھی واپس پاکستان چلے گئے۔ دوسری طرف پاکستان کے خراب حالات کی وجہ سے مزید احمدی خاندان مسلسل یہاں آرہے تھے اور بہت سے احمدی احباب کی پاکستان واپسی کے باوجود تھائی لینڈ میں احمدیوں کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہیں ہورہی تھی یہ سلسلہ دسمبر 2010ء تک جاری رہا۔ اسی دوران 8 دسمبر 2010ء کو ہمارے 7 افراد پر مشتمل احمدی خاندانوں کو ایک ہی جگہ سے گرفتار کرلیا گیا جن کو I.D.C میں بند کردیا گیا۔ یہ واقعہ ہمارے لئے شدید پریشانی اور شدید دکھ کا تھا کیونکہ اس میں احمدی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ہم خود بھی دعاؤں میں مصروف

تھے اور حضور انور کی خدمت میں بھی ان حالات کو خصوصی دعاؤں کی غرض کے لئے لکھ رہے تھے۔

یہاں میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہمارے بچوں کے لئے سکول اور میڈیکل کا ایک نہایت ہی اہم ادارہ UNHCR کے زیر سایہ B.R.C (بنکاک رفیوجی سینٹر) کے نام سے کام کرتا ہے۔ یہاں کا ہر اسائلم سیکرز اور رفیوجی آدمی اس ادارے کا بخوبی واقف ہے اور ہمارے تمام احمدی بچوں اور بڑوں کی تعلیم حاصل کرنے کا بندوبست ہے۔ یہاں کا طریقۂ کار کچھ یوں تھا کہ دُور دُور سے لوگ اپنے بچوں کو صبح سویرے لاتے اور پھر سہ پہر تین بجے تک ان سب کو بھی B.R.C کے اندر واقع صحن میں موجود سیمنٹ کی کرسیوں پر ہی بیٹھنا پڑتا۔ یوں اس ادارے میں پورا دن بڑی رونق رہتی اور دسمبر کا مہینہ شروع ہوتے ہی اس ادارہ سمیت پورے بنکاک میں تین بڑے جشن منانے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہے۔ ایک یہاں کے بادشاہ (King) کی Birthday، دوسرا کرسمس اور تیسرا نئے سال کا جشن۔

چنانچہ اس دسمبر کے شروع ہوتے ہی ہم نے اندرون شہر ایسی ہی تیاریاں دیکھیں اور B.R.C میں بھی اس کی تیاری شروع ہوگئی اور نوٹس بورڈ کے مطابق کرسمس کا فنکشن 17/12/2010 کو ہونا تھا۔ لیکن اس سے قبل 9/12/2010 عورتوں اور بچوں کے حقوق پر مشتمل ایک انٹرنیشنل این جی او نے اپنا پروگرام اسی ادارے میں رکھا اور تمام اسائلم سیکرز اور رفیوجیز کو آنے کی دعوت دی جس میں بچوں کیلئے تفریح اور انعامات کا انتظام بھی تھا، یہ دن بے حد خوشگوار گزرا اور شام کو ہم سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ایک قیامت ٹوٹ پڑی

اب میں جن حالات کا ذکر کرنے لگا ہوں ان کو برداشت کرنا تو الگ رہا ان کو سننے اور پڑھنے کے لئے بھی ایک جگر چاہئے۔ اچانک حالات نے اس قدر پلٹا کھایا کہ ہمارا ہر آنے والا دن پہلے دن سے بھاری اور ہر آنے والی خبر پہلے سے زیادہ افسوسناک اور پریشان کن بنتی گئی اس خوفناک اور دہشتناک صورتِ حال میں ہم پر جو بیتی اس کا نہایت مختصر تعارف کچھ یوں ہے:

مری تو داستاں سُن کر بیچارہ غم بھی سَر پٹکے

ہمیں معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ جانے والا دسمبر اور آنے والا نیا سال ہمارے لئے کیا افسوس ناک پیغام لا رہا ہے، اور آنے والی صبح ہمارے لئے ایک ڈراوٴنی کالی رات کی طرح طلوع ہونے والی ہے۔ ہم نے رات کو کھانا کھایا اور سو گئے۔ چونکہ سکول میں بچوں کو چھٹیاں تھیں اس لیئے صبح بعد نماز فجر ہم دوبارہ سو گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ تقریباً ساڑھے سات بجے میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر ایک احمدی خادم کو کھڑے دیکھا۔ اس کی حالت کچھ یوں تھی کہ سرخ آنکھیں، پیلا چہرہ، کانپتے ہاتھ اور لڑکھڑاتی ٹانگیں۔ تھوڑی دیر وہ نہایت مشکل سے کچھ بولنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا کہ:

”ہمارے احمدیہ مشن ہاوٴس واقع پریکسا سوسائٹی میں ہمارے تمام احمدیوں کو تھائی امیگریشن پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔“

یہ خبر ایک بڑے دھماکہ سے کم نہیں تھی۔ ہمارے مزید 86 مرد خواتین اور بچوں کو صبح سات بجے کے قریب ان کے اپنے گھروں سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ہم نے اسی وقت اپنے اپارٹمنٹ میں رہنے والے چند احمدیوں کی میٹنگ کال کی اور گرفتار شدہ احباب سے فون پر رابطہ کیا اور انہیں حوصلہ و ہمت پیدا کرنے کی درخواست کی۔ نیز اگلا لائحہ عمل بھی بنایا۔ چونکہ یہ جگہ ہم سے تقریباً بیس پچیس کلومیٹر آگے تھی اس لئے یہ خطرہ بھی تھا کہ گزرتے ہوئے پولیس ہمارے پاس بھی نہ آجائے۔ بہرحال اپنی حفاظت کے ساتھ ہم نے اپنے گرفتار شدہ احباب سے مسلسل رابطہ رکھا۔ان احباب میں بچے،عورتیں،مرد، بزرگ اور مریض سب شامل تھے۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کو دعائیہ فیکس کرنے کا فیصلہ کیا اور مشنری انچارج محترم اُونگ کُرنیا صاحب مبلغ سلسلہ و نیشنل صدر تھائی لینڈ سے رابطہ کیا تا کہ مشن ہاؤس سے یہ فیکس جلد از جلد ہو سکے۔وہ پہلے ہی اس کام میں مصروف تھے۔ایسا لگ رہا تھا کہ تھائی لینڈ میں پاکستانی احمدیوں کی کہانی اب اپنی اختتامی مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ تعداد کے لحاظ سے ہماری سب سے بڑی جماعت کو آج بغیر کسی جرم کے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ ہم نے UNHCR کے آفس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔مگر آفس تو 9:00 بجے کھلنا تھا۔ ہمیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ہم کیا کریں،کس کو بتائیں۔

اس کے بعد میں اس میٹنگ سے واپس گھر آیا اور بچوں کو جگایا اور ان کو کسی حد تک حالات بتائے بچے پہلے ہی ان حالات سے سہمے ہوئے تھے،خیر بچوں کو حوصلہ دیا اور اسی وقت ہم نے نفل پڑھنے کی ٹھانی اور اپنے اپنے طور پر نفل پڑھے اور رورو کر اپنے خدا کو مدد کے لئے پکارا۔اس کے بعد دوبارہ ہم لوگ ایک کمرے میں اکٹھے ہوئے۔تقریباً ہر آنکھ

اشکبار تھی۔ ہر ہونٹ پر دعا تھی اور ہر ایک احمدی بے چین تھا۔ میں نے پھر گرفتار احباب سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ انہیں I.D.C میں لے جایا گیا ہے۔

پھر ہم نے UNHCR میں دوبارہ رابطہ کیا تو ہماری بات ہوگئی۔ ان کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں ان کا نمائندہ بھی I.D.C میں پہنچ گیا۔ دوسری طرف ایک بین الاقوامی این جی او J.R.S والے ان پاکستانی احباب کے لئے ناشتہ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ آج عورتوں اور مردوں کو الگ الگ دو ہال نما کمروں میں رہنا تھا۔ یہاں تک تو ان سب کے فون ان کے پاس تھے اور ہم ان سے رابطہ میں تھے۔ اگلے دن ان کو عدالت میں پیش ہونا تھا جہاں Over stay ہونے پر جرمانہ کیا جانا تھا۔ مگر ان کو پولیس نے پیش نہیں کیا۔ یہاں ہمارے چند احمدی لوگوں سے UNHCR کے نمائندے نے کچھ تلخ کلامی بھی کی کیونکہ احمدی ان سے اپنا جرم پوچھ رہے تھے اور ان کی طرف سے مسلسل ناانصافی اور کیس کے پراسس میں لمبی تاخیر کا گلہ کر رہے تھے۔ یہ اس لئے بھی تھا کہ وہ اپنے بچوں اور عورتوں کو بغیر کسی جرم کے سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر بے حد غمگین اور جذباتی تھے اور اس مشکل موقع پر UNHCR کے ادارے سے مدد کے خواہشمند تھے۔ مگر ادارے نے اب رہائی کے معاملہ میں صاف معذرت کر لی۔

بہرحال اگلے دن ان سب سے موبائل چھین لئے گئے اور ان کو عدالت میں پیش کیا گیا اور عام توقع سے زیادہ ان پر جرمانہ ڈالا گیا جو موقع پر ادا کر دیا گیا۔ وہاں سے ان سب احباب جماعت کو پولیس کی گاڑیوں میں واپس I.D.C میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں ان کو پہلے مختلف بیرکوں میں اور پھر چند دن بعد ایک بیرک میں مرد اور دوسری میں مستورات کو

بند کر دیا گیا جہاں اور کئی مما لک کی عورتیں اور مرد کئی کئی سال سے بند تھے۔ گرفتار احباب میں کچھ مریض بزرگ تھے۔ ایک عورت جس کا ایک چار سالہ بچہ اس کے ساتھ گرفتار ہوا جبکہ اس کے تین چھوٹے بچے باہر رہ گئے تھے۔ دوسری طرف ان مایوس کُن حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے تقریباً 40 سے 50 افراد I.D.C کے اندر اور کچھ باہر سے اگلے چند دنوں میں واپس پاکستان چلے گئے۔ I.D.C کے اندر حالات کی سختی اور پریشانی کے بارے میں جو احمدی اسیران نے مجھے بتایا ان کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا پہلے میں عمومی حالات بتانا چاہتا ہوں۔

ان سارے حالات میں ہماری مزید گرفتاریوں کا خطرہ اور بھی بڑھ گیا اس لئے ہم لوگ ہر روز بذریعہ ٹیکسی صبح کی اذان سے قبل ہی اپنے گھر چھوڑ کر B.R.C میں آجاتے اور پورا دن ادھر گزار کر شام کو اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ آج بھی معمول کے مطابق ہم لوگ صبح سویرے گھر سے نکلے اور B.R.C پہنچے تو دیکھا کہ آج یہاں کرسمس کا پروگرام ہو رہا ہے۔ ہمارے ناشتے کی ذمہ داری ایک این جی او (میری نال) والوں نے سنبھال رکھی تھی۔ چنانچہ ناشتہ کے بعد کرسمس کا پروگرام شروع ہو گیا۔ اگر چہ ہم احمدیوں نے اس پروگرام میں کسی قسم کا حصہ نہیں لینا تھا تاہم میں نے چاروں طرف دیکھا آج B.R.C میں تین دن پہلے والی رونق نہیں تھی۔ آج سری لنکا اور افریقہ کے بچے تو کرسمس کے پروگرامز میں شامل تھے مگر احمدی بچے کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ آج احمدی تعداد میں بھی کم اور بے حد اداس آنکھوں میں خاموش آنسو چھپائے ایک طرف بیٹھے تھے۔

میں نے دیکھا کہ احمدی احباب کی اس وقت حاضر تعداد تقریباً 20 تک ہو گی۔ چونکہ

نمازِ جمعہ کا وقت قریب تھا اس لئے ہم نے ادھر ہی جمعہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا۔ سکول کی مینیجر سے اجازت چاہی جو فوراً مل گئی۔ ہم نے وہاں تمام موجود احمدی احباب کو اس کی اطلاع دی اور وضو کرنے کے بعد سکول کے ایک کلاس روم میں چادریں بچھا کر نماز کا انتظام کیا۔ خاکسار نے ساڑھے بارہ بجے خطبہ جمعہ شروع کر دیا جس میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا دعاؤں کی تلقین پر چھوٹا سا اقتباس پڑھا۔ میری آواز ڈوب رہی تھی اور نمازیوں میں سے بھی چند ایک کی سسکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کے اہلِ خانہ اس وقت سلاخوں کے پیچھے تھے۔ خاص کر معصوم بچوں و عورتوں کا خیال ہمارے دل اور دماغ کو ہلا دیتا۔ پھر نماز کھڑی ہوئی تو ضبط کے سارے پیمانے ٹوٹ گئے۔ ایک چیخ و پکار تھی آج کے قیام و سجود میں جو کس حد تک کلاس روم سے باہر بھی سنائی دی جا رہی تھی۔ جس کے نتیجہ میں کچھ دیر کے لئے کرسمس پروگرام میں بجنے والا میوزک بند کر دیا گیا۔ باقی لوگ حیران تھے کہ ان پاکستانیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس طرح رونے اور گڑگڑانے سے کیا حاصل ہوگا۔ مگر ہم اپنے زندہ خدا کو جانتے تھے وہ خدا جو تمام قدرتوں کا مالک اور تمام بگڑے کاموں کو سنوارنے والا ہے، جس کا اصل پتہ ہمیں حضرت مسیح موعود و مہدی موعودؑ نے دیا۔ جو معجزات دکھانے والا اور بے بس کی بے بسی دور کرنے والا ہمارا مولیٰ کریم ہے۔ چنانچہ نماز میں بہت درد کے ساتھ دعائیں کی گئیں۔ آج ہماری دعا حضرت مسیح موعود و مہدی موعودؑ کے اس شعر کے مصداق بھی تھی:

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
خاک میں ہوگا یہ سر، گر تو نہ آیا بن کے یار

خیر ہم لوگ جب باہر آئے تو کرسمس کا پروگرام دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔شام کو ہم لوگ دوبارہ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے اور اگلے روز جب میں صبح اپنے بچوں کے ساتھ B.R.C پہنچا تو مکرم نیشنل صدر صاحب کا فون مجھے موصول ہوا۔ وہ تھوڑی دیر میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔ وہ کافی اداس تھے۔ بہرحال انہوں نے ہم سب کا حال پوچھا۔ باہر گرمی زیادہ تھی اس لئے میں نے B.R.C کی مینیجر سے سکول کی لائبریری (جس میں اے سی لگا تھا) میں محترم صدر صاحب کو بٹھانے کی اجازت چاہی تو وہ سمجھی کہ ہمارا یہاں کوئی سیاسی اکٹھ کرنے کا پروگرام ہے جس کی اس ادارہ کے اندر کوئی گنجائش نہیں تھی۔اس لئے وہ خود ہی محترم صدر صاحب کے پاس آ گئی۔ان سے تھائی زبان میں بات کرنے کے بعد وہ محترم صدر صاحب کو اپنے آفس میں لے گئی جہاں کچھ دیر اس سے بات چیت ہوتی رہی۔اتنی دیر میں ہم نے حضورِانور کی خدمت میں مشترکہ دعائیہ خط لکھا تاکہ محترم صدر صاحب کے ہاتھوں بھیجا جا سکے اور کچھ دیر بعد وہ یہ خط لے کر وہ واپس چلے گئے۔

اگلے روز ہمارے اپارٹمنٹ سے چند خادم گرفتار ہونے والے احباب کے گھروں میں گئے۔ وہاں کے مناظر دو دن قبل ہونے والی پولیس کی اس کارروائی کو عجیب انداز میں بیان کر رہے تھے۔ایک بھائی مکرم خالد محمود بٹر صاحب نے مجھے بتایا کہ تمام احمدی گھروں میں سامان بکھرا پڑا تھا۔ ان کے کچھ چولہوں پر روٹیاں ابھی تک پڑی ہوئی تھیں، کچھ گھروں میں پکے ہوئے آملیٹ ناشتے کی ٹیبلوں پر کھانے والے احباب کے منتظر اب خراب ہو چکے تھے۔ بچوں کے سکول بیگ تیار پڑے تھے اسی طرح چند پیالیوں میں پڑی چائے سے اب بدبو آ رہی تھی اور ان کے گھروں کی حالت باسیوں کی بے بسی کی ایک

بھیانک تصویر تھی۔ان کی دیواروں سے عورتوں کی سسکیاں اور بچوں کی چیخ و پکار کی گونج اب بھی سنائی دے رہی تھی۔لگتا تھا کہ پولیس نے انہیں سنبھلنے کی بھی مہلت نہیں دی۔

خدام نے ان کا تمام گھریلو سامان اکٹھا کیا اور ایک مکان میں جمع کر دیا کیونکہ باقی گھران کے مالکان کو واپس کرنے کا جماعتی فیصلہ ہو چکا تھا۔چنانچہ دو دن کے وقارِعمل کے بعد یہ کام انجام پذیر ہوا۔چند دن بعد ہم نے احمدیہ ویب سائیٹ

www.persecutionofahmadis.org پر تھائی لینڈ میں پاکستانی احمدی احباب کی گرفتاری کی خبر تفصیل سے شائع ہوئی دیکھی جو بہت جامع انداز سے شائع ہوئی تھی۔اس میں ان احمدیوں کا تعارف اور یہاں آنے کے اصل مقصد کے علاوہ ان کے نام،عمریں، اسائلم نمبر اور صحت کا ریکارڈ بھی درج تھا،نیز Asian Human Rights Commission (AHRC) کی طرف سے بھی مندرجہ بالا ویب سائٹ پر ہمارے حق میں ایک سفارشی لیٹر بھی تھا جس کے نیچے ہر پڑھنے والا صرف اپنا نام اور اپنا میل ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد بہت آسانی سے آٹومیٹک طور پر مندرجہ ذیل افسران کے نام Send کر سکتا تھا:

1. Mr. Abhisit Vejjajiva, (Prime Minister of Thailand)
2. Mr. Chaowarat Chanwe erakul, (Minister of Interior)
3. Mr. Peeraphan Saleeratwipak, (Minister of Justice)
4. Mr. Kasit Piromya, (Minister of Foreign Affairs)
5. Mr. Jullasingha Wasantasing ha, (Attorney General)
6. Pol. Gen. Wichean Potephosree, (Royal Thai Police)

اس لیٹر کو دنیا بھر کے احمدیوں نے مذکورہ طریقہ سے Send کیا۔مزید چند دن بعد اسی ویب سائٹ پر ایک اور لیٹر بھی اسی طریق کے مطابق شائع ہوا جس پر تقریباً 26 انٹرنیشنل ہیومن رائیٹس کے نام کے ساتھ تھائی گورنمنٹ کے نام احمدیوں کے لئے سفارش درج تھی۔ان ساری کوششوں کے باوجود یہاں کے حالات بظاہر خراب سے خراب تر ہوتے جارہے تھے۔پولیس مسلسل غیر ملکیوں کو پکڑ رہی تھی جن میں دوسرے کئی ممالک کے لوگ بھی شامل تھے۔

محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب کا دورۂ تھائی لینڈ

مایوسیوں اور شدید پریشانیوں کے اس نہایت تکلیف دہ وقت میں ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز نے نہ صرف اپنی خاص دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا بلکہ آپ کے خصوصی حکم پر جنوری کے پہلے ہفتہ میں محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب ہمارے پاس تھائی لینڈ آئے اور آپ نے جس وقت ہمیں ہمارے پیارے آقا کا سلام ہمیں پہنچایا۔اس وقت ہمیں ایسا لگا کہ ہمارے سروں سے کوئی بوجھ اتر گیا ہے اور ایسا لگا کہ آج ایک الٰہی خلافت نے ہمیں خوف سے امن کی طرف آنے کی نوید عطا کی ہے اور آج کئی دنوں کے بعد ایک عجیب سا سکون ہمیں نصیب ہوا۔ہمیں یہ بھی یقین ہو گیا کہ ہمارا ایک وارث ہے اور وارث والے کبھی لاوارثوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔جن کے سروں پر خلافت کا سایہ ہو اور جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کے وعدے ہوں ان کو یہ دنیا کی حکومتیں یا ادارے کیا نقصان پہنچائیں گے۔چنانچہ آگے جن حالات کا میں ذکر کروں گا ان سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گی کہ ہماری جماعت ایک خدائی جماعت اور ہمارا خدا سچے

وعدوں والا خدا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سچے خلیفہ کا مقابلہ دنیا کا کوئی بادشاہ یا حکومت نہیں کر سکتی۔

مکرم ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی ہمارے اپارٹمنٹ میں ہمارے تمام حلقے کے بچے ہوئے احمدی مرد حضرات کو بلایا اور ایک مختصر سا مگر بے حد پُر اثر خطاب فرمایا۔ آپ نے چند نصائح کے ساتھ اپنی تقریر کے آغاز پر ہی یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی احمدی یہاں سے واپس پاکستان نہیں جائے گا۔ اس حکم پر تمام احمدی احباب خوش ہوئے مگر چند حیران بھی تھے۔ غالباً وہ سوچ رہے تھے کہ ہمیں کن حالات میں رہنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ مگر اپنے اللہ پر ہر احمدی کو ایک ایمان حاصل ہے اس لئے یہاں کی اکثریت نے ان سخت حالات کے باوجود اللہ پر توکّل کرتے ہوئے اس حکم پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

محترم سرایاز صاحب نے اس دورہ کے دوران ہم سے تفصیلی حالات سنے اور تھائی لینڈ حکومت کے اہم ترین اداروں، انسانی حقوق کی فلاحی تنظیموں اور UNHCR کے ادارے کے ساتھ بہت کامیاب ملاقاتیں کیں جن کے اصل ثمرات کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔ مگر یہاں اتنا بتا تا چلوں کہ چونکہ گرفتار احبابِ جماعت کو I.D.C میں خوراک کی کمی اور ناقص معیار کا کھانا ایک بڑا اور سنگین مسئلہ درپیش تھا اس لئے محترم سرایاز صاحب نے فوراً ان کے لئے کھانا پہنچانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ اس کام کے لئے مشنری انچارج محترم اُونگ کُرنیا صاحب مربی سلسلہ کی زیرنگرانی ایک پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے چیئرمین مکرم اکرام اللہ صاحب، نائب چیئرمین مکرم شاہد محمود صاحب، سیکرٹری مال مکرم خالد محمود بٹر صاحب، عمومی بیرونی احمدیوں کے معاملات کے لئے سیکرٹری امور خارجہ مکرم

رانا قمر مبارک صاحب (جو خود بھی چند دن بعد گرفتار ہو گئے) نیز I.D.C کے اندرونی معاملات کے لئے سیکرٹری I.D.C کا عہدہ خاکسار کو سونپا گیا۔

سب سے اہم کام کھانا پکانے کے لئے چند خدام نے عمومی جبکہ تین احباب مکرم خالد محمود بٹر صاحب، مکرم لئیق احمد صاحب اور مکرم مجیب احمد صاحب نے خصوصی خدمات ادا کیں۔سو سے ڈیڑھ سو لوگوں کا کھانا پکانا نہ صرف ایک مشکل کام تھا بلکہ اپنی حفاظت کے اعتبار کے لحاظ سے بھی ایک بڑا چیلنج تھا۔اس لحاظ سے یہ تمام خدمتگار خصوصی دعا کے مستحق بھی ہیں۔اس کام کے لئے ایک مقامی تھائی احمدی فیملی نے اپنی ذاتی جگہ مہیا کی اور کچھ عرصہ خدام نے یہاں سے یہ فرائض ادا کیے اور پھر مکرم اکرام اللہ صاحب نے اپنی فیملی کے لئے تین کمروں پر مشتمل ایک گھر کرائے پر حاصل کیا اور مذکورہ تین خدام نے مسلسل پانچ ماہ تک یہ ڈیوٹی نہایت احسن طریقہ سے ادا کی۔کھانا پکانے کے علاوہ I.D.C میں کھانا پہنچانا بھی نہایت مشکل کام تھا۔صبح سویرے تقریباً دو گھنٹے کا سفر طے کر کے آٹھ سے نو بجے تک کھانا پہنچانا ہوتا تھا جس کے I.D.C کے اندر باقی مراحل تقریباً تین گھنٹوں میں مکمل ہوتے تھے۔اس کام میں پاکستانی ویزہ ہولڈر احمدی احباب خدمت کر رہے تھے جن میں خاص کر مکرم فیضان احمد صاحب، مکرم شاہد محمود صاحب اور مکرم طاہر عزیز بھٹی صاحب تھے۔ہفتہ اتوار کے دن اندر چھٹی ہونے کی وجہ سے کھانا نہیں جا سکتا تھا اس لئے جمعہ کے دن اضافی کھانا بھیجنے کے لئے خاکسار نے ذاتی طور پر اپنے گھر میں بھی اکثر کھانا پکانے کا بندوبست کیا اور اس کام کے لئے میری اہلیہ پوری رات جاگ کر کھانا تیار کرتی اور صبح ویزہ رکھنے والے پاکستانی احمدی حضرات یہ کھانا I.D.C میں پہنچاتے۔یہ کام مسلسل قریباً پانچ ماہ

تک جاری رہا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہاں ہم تمام اپارٹمنٹس میں رہنے والے احمدیوں کو صرف ایک کمرہ بغیر کچن کے دستیاب تھا اور پکانے والے برتنوں کی بھی شدید کمی تھی۔ دوسری طرف ہمارے پاکستانی کھانوں کی خوشبو مقامی تھائی لوگوں کے لئے ایک بد بو سمجھی جاتی تھی اور وہ اس سے تنگ آ کر اکثر پولیس کو شکایت کر کے لوگوں کو پکڑ وا دیتے تھے اس لئے یہ کام نہایت احتیاط سے کرنا پڑتا تھا۔

پریکسا کالونی والے اس بڑے واقعہ کے 37 ایام بعد 19 جنوری 2011ء ہماری مزید 12 افراد پر مشتمل احمدی فیملیز کو رنگ سٹ (Rangsit) کے علاقے سے شام پانچ بجے کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔ ان میں میرے ایک دوست مکرم الطاف شاہ بخاری صاحب کی فیملی بھی شامل تھی اور یہ خود دل کے مریض تھے اور تقریباً تین ماہ قبل پاکستان سے یہاں آئے تھے۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد 18 فروی 2011ء کو ہمارے قریبی ایک اپارٹمنٹ سے مزید کچھ احمدی خاندانوں کو دوپہر تین بجے گرفتار کر لیا گیا اور ان سب کو بھی I.D.C میں بند کر دیا گیا۔ چونکہ یہ واقعات ہماری رہائش کے بالکل قریب ہی ہو رہے تھے اس لئے میں نے اب اپنا کمرہ تبدیل کرنے کا پروگرام بنایا اور اسی دن وہاں سے شفٹ ہو کر ساتھ والے محلہ میں چلا گیا۔ باقی احمدی خاندانوں کو چند دن بعد اپارٹمنٹ والوں نے کمرے چھوڑنے کا نوٹس دے دیا۔ چنانچہ 10 سے 12 فروری تک نئے کمروں کی تلاش کی گئی اور ایک نہایت خوبصورت اور بظاہر محفوظ بلڈنگ ہمیں مل گئی۔ دوستوں کے مشورہ پر مَیں نے بھی اُسی بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے کا ارادہ کر لیا کیونکہ میرے موجودہ کمرہ میں کھانا پکانے کی کوئی خاطر خواہ جگہ نہ تھی۔ اس طرح ہمارے سابقہ اپارٹمنٹ

(ROSA) سے میرے سمیت چار فیملیز نے یہاں شفٹ کرنا تھا۔15 فروری2011ء کو باقی تین خاندان یہاں شفٹ ہوگئے اور میں نے ایک ہفتہ بعد یہاں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا۔ جبکہ اگلے روز چند دوسرے نزدیکی اپارٹمنٹ والے احمدی لوگ بھی اسی بلڈنگ میں شفٹ ہونا شرع ہوگئے اور یوں آنے والی فیملیز کی تعداد کافی بڑھ گئی۔

چونکہ یہاں کے حالات کے پیشِ نظر حفاظتی نکتہ نگاہ سے جماعتی ہدایات ہمیں موصول ہوچکی تھیں کہ ایک جگہ پر اکٹھ اور رش نہ پیدا کیا جائے اس لئے میں 19 فروری 2011ء کو رات آٹھ بجے کے قریب اپنے ان دوستوں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ اب میں یہاں شفٹ نہیں ہونا چاہتا اس لئے صبح اس بلڈنگ کی مالکن کو یہ بات بتا کر میرا ایک ہزار باتھ ایڈوانس واپس لے لیں اور میں واپس آ گیا۔ لیکن اگلے دن ہی بدقسمتی سے یعنی 20 فروری 2011ء کو صبح 10:10 بجے کے قریب تھائی امیگریشن کی گاڑیاں اس بلڈنگ کو بھی اپنے گھیرے میں لے چکی تھیں اور آج مزید 24 ہمارے پاکستانی احمدی مرد عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں تین فیملیز وہ بھی تھیں جن سے میرے گھریلو تعلقات تھے اور ہم لوگ اس سے قبل ایک ہی بلڈنگ میں ایک خاندان کی طرح رہ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک دوست مکرم شاہد محمود صاحب کا اپنا تو ویزہ تھا مگر ان کی اہلیہ اور چار بچے گرفتار ہوئے جو بدقسمتی سے اسی رات یہاں شفٹ ہوئے تھے۔ دوسرے مکرم طاہر ندیم صاحب اور ان کی اہلیہ جو اپنے پہلے بچے کے ساتھ حاملہ بھی تھیں اور تیسرے مکرم طاہر محمود گل صاحب اور ان کی اہلیہ اپنی تین سالہ بچی کے ساتھ گرفتار ہوئے۔

I.D.C کے اندرونی سخت و تلخ حالات

اب میں سب سے قبل I.D.C کے اندر کے حالات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے چند احمدی اسیران نے بتائے۔ اگرچہ یہ الفاظ اس پریشانی اور سختی کا مکمل اظہار نہیں کر سکتے جو ان دوستوں نے اندر رہ کر برداشت کی اور نہ ہی عورتوں اور بچوں کی ذہنی و جسمانی اذیت کی عکاسی کر سکتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان تلخ اور عذاب ناک دنوں کا ذکر کرتے ہوئے چند مرد و خواتین یوں بیان کرتے ہیں:

1۔مکرم طاہر احمد عادل صاحب

(اسیر 14-2-2010 تا 6-6-2011)

آزادی تو ہماری چھن ہی چکی تھی مگر اس کے ساتھ دکھوں اور تکالیف کا ایک ایسا سلسلہ تھا جس میں سے ہمیں اب گزرنا پڑ رہا تھا۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے اور عورتیں ہمارے پاس ہونے کے باوجود ہم سے دور تھے۔ ان سے ملنے کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ صفائی کا، صاف پانی کا، بچوں کی صحت کا، ان کی تعلیم کا اور ہماری خوراک کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ خوراک میں اُبلے ہوئے غیر معیاری چاول اور کھیرے یا مولی کا گرم پانی اور یا کبھی کبھار چکن کا پانی نما سالن دیا جاتا۔ اگر کوئی بچہ بیمار ہو جاتا تو اسے اکیلا ہی ہسپتال میں کئی کئی دن رکھا جاتا اور ماں باپ کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک بار میرا چھوٹا بیٹا جو ایک سال کا تھا وہاں بیمار ہوا تو پہلے دن میری اہلیہ کو اس کے ساتھ ہسپتال میں لے گئے اور ساری رات اسے وہاں ہتھکڑی والی زنجیر ڈال کر بیڈ کے پاس بٹھائے رکھا اور اگلے دن

اسے واپس بیرک میں بھیج دیا جبکہ میرا بچہ آٹھ دن ہسپتال داخل رہا اور اس دوران اس کی صحت کے بارے میں ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ اوپر سے وہاں کا جو لباس تھا وہ بھی ہمارے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ بیرک سے جس وقت ورزش وغیرہ کے لئے ہمیں باہر نکالتے تو صرف نیکر کی اجازت تھی۔ ملاقات کے وقت بھی نیکر اور ایک خاص شرٹ پہننی پڑتی جس کے پیچھے تھائی زبان میں لکھا تھا کہ یہ قیدی ہے اور نیچے ان کے فون نمبر درج تھے۔ اور اگر ہمیں کسی خاص وجہ سے I.D.C سے باہر لے جانا پڑتا تو ہتھکڑی کے علاوہ یہ شرٹ بھی پہننا ضروری تھی۔

ہر تیسرے دن ہمیں ایک صحن نما بند جگہ پر تھوڑی دیر کے لئے بیرکوں سے نکالا جاتا جہاں کینٹین بھی تھی اور اشیاء کی قیمتیں تین گنا سے زیادہ تھیں۔ بیرک کے اندر گندگی کی وجہ سے خارش اور طرح طرح کی جلدی بیماریاں، سگریٹ کا دھواں و بدبو اور ٹی بی کی بیماری عام تھی۔ روشنی کا اور تازہ ہوا کا نام ونشان نہ تھا۔ زیادہ رش ہونے کی وجہ سے اندر گرمی بھی زیادہ تھی اور پنکھے پرانے اور ناقص، جبکہ جلدی بیماریوں نے تمام قیدیوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔

2۔مکرم سید الطاف حسین شاہ بخاری صاحب

(اسیر 19-1-2011 تا 6-6-2011)

مجھے 19 جنوری 2011 کو اپنی اہلیہ اور دو جڑواں بچیوں (عمر 6 سال) کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ پہلے دن تھانہ کی حوالات میں رکھا گیا جو ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں سانس لینا بھی دشوار تھا جبکہ مجھے پہلے ہی سانس کی کچھ تکلیف تھی۔ چنانچہ اسی لئے دوسرے دن

شام کو مجھے سانس اور دل کی تکلیف ہوگئی۔ وہ رات بھی بڑی تکلیف سے کاٹی اور اگلی صبح مجھے ہتھکڑی لگا کر ہسپتال لے جایا گیا اور جس بیڈ پر مجھے رکھا گیا اسی کے ساتھ میرا ایک بازو ہتھکڑی کے ذریعہ باندھ دیا گیا اور تیسرے دن یہ جھوٹ بول کر I.D.C میں شفٹ کر دیا گیا کہ وہاں اندر بھی ایک ڈسپنسری موجود ہے۔ حالانکہ I.D.C کے ملازمین تو انسانیت کی بنیادی قدروں سے بھی ناواقف لگتے تھے۔ حالات یوں تھے کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف ہو جاتی تو پہلے بیرک کا دروازہ بہت دیر تک کھٹکھٹانا پڑتا تھا۔ پھر اگر عملہ میں سے کوئی آجائے تو مریض کو ہسپتال تک لے جانا ایک عذاب کا مرحلہ تھا۔ مجھے خود ایک دو بار تکلیف ہوئی تو وہ مجھے ہتھکڑی لگا کر پولیس گاڑی میں سوار کرنے لگے اور ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے سوار ہونے میں دشواری پر مجھے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے گئے۔ میں نے باہر آتے ہوئے پانی مانگا جو نہ مل سکا۔ پھر میں نے ان سے درخواست کی میری جیب سے پیسے نکال کر مجھے کوئی جوس ہی لے دیں لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ اسی طرح ایک بار پھر مجھے ہسپتال لے جانا پڑا تو ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر پولیس والے کو یاد آیا کہ وہ ہتھکڑی کی چابی آفس میں ہی بھول آیا ہے۔ چنانچہ ہتھکڑی پہنے ہوئے ہی مجھے ڈاکٹر نے چیک کیا۔

اندر بیرک کے حالات یوں تھے کہ جگہ کی اتنی تنگی کہ ہر آدمی کو تقریباً 18 انچ چوڑی اور 6 فٹ لمبی جگہ الاٹ تھی اس سے باہر اگر اس کے جسم کا کوئی حصہ آتا تو وہ اس کی زیادتی سمجھا جاتا۔ اگر رات کو کسی کو اُٹھنا پڑے تو کسی کے منہ پر سے اور کسی کی ٹانگوں سے پھلانگ کر جانا پڑتا۔ لیٹرین نہ صرف نہایت گندی اور غیر معیاری بلکہ اتنے افراد کے لئے صرف دو لیٹرین تھیں۔ پانی کا ایک اجتماعی حوض تھا جس سے پانی پینا بھی تھا اور نہانا بھی۔ جگہ اتنی

گندی کہ نہا کر انسان صاف ہونے کی بجائے زیادہ گندا ہو جاتا (تاہم کچھ عرصہ بعد ایک مقامی NGO نے پینے والے پانی کا الگ نل لگوا دیا تھا)

اوپر سے غیر مسلم قیدی وہاں بالکل ننگے ہی غسل کر لیتے جس کا ہمارے بچوں پر بے حد برا اثر پڑتا۔ تازہ ہوا کا کوئی انتظام نہ تھا جس کی وجہ سے سانس کی تکلیف بہت زیادہ تھی۔ خوراک میں کبھی چکن کا ایسا پتلا پانی نما سالن ہوتا جس میں مرغی کے پنجے، چونچیں اور آنتیں بھی ساتھ پکی ہوئی ملتیں۔ ان حالات کی وجہ سے دو تین برمی لوگ دو تین سال تک قید رہنے کے بعد اندر ہی فوت ہو گئے تھے۔ اور کچھ لوگ پولیس کو اکثر یہ کہتے کہ ہمیں گولی ماردو۔

ہم نے ان مشکل حالات سے سمجھوتہ کرنے کے لئے کچھ اپنی مثبت مصروفیات بنا لیں جن میں پنج وقتہ باجماعت نماز اور انفرادی تہجد کا پروگرام۔ قرآنِ پاک کا درس، مردوں کے پاس موجود بچوں کی کلاس اور نمازِ جمعہ کا انتظام شامل تھا۔ نیز کچھ وقت دل بہلانے کے لئے چند کھیل بھی کھیلے جاتے۔ اسی طرح کبھی مشاعرہ اور کبھی جماعتی نظموں کا مقابلہ ہوتا۔ ایک دفعہ ہم نے وہاں جلسہ سالانہ کے نام پر ایک تقریب رکھی جو نمازِ ظہر کے بعد شروع ہوئی جس میں تلاوت اور نظم کے بعد مکرم طاہر احمد عادل صاحب نے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر شاندار تقریر کی۔ اس جلسہ میں ہمارے ساتھ برمی مسلم بھی شامل تھے۔ اس لئے ایک تقریر ان کے ایک دوست نے بھی کی اور احمدیہ نظم کے بعد ایک ان کی طرف سے نعت بھی پڑھی گئی اور آخر میں دعا کروائی گئی۔

ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ کبھی کبھی پولیس والے سیل کی

چیکنگ کرتے تھے۔ان کا طریقہ کچھ یوں تھا کہ اچانک بیرک میں گھس آتے ان کے ساتھ کچھ پرانے قیدی بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ پہلے تمام قیدیوں کو ہاتھ اوپر کرکے باہر نکالا جاتا تھا اور پھر سیل کی تلاشی لی جاتی تھی۔ ایک دن اسی طرح کی تلاشی کے بعد جب ہم واپس بیرک میں پہنچے تو دیکھا کہ ہمارا ایک قرآنِ پاک جو بیرک کے اندر دیوار پر رکھا ہوا تھا پولیس والوں نے دورانِ چیکنگ وہ نیچے گرادیا تھا۔ چنانچہ قرآنِ پاک کی اس بے حرمتی پر ہم تمام احمدیوں نے سخت احتجاج کیا اور کافی شور کیا جس پر وہ ہمارے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا۔ ہم نے کسی افسر کے آنے کو کہا اور ساتھ کھانا کھانے اور ورزش کرنے سے بھی بائیکاٹ کردیا۔اس کے بعد ایک افسر آیا اور معذرت کرنے لگا۔اُس نے پولیس والوں کی طرف سے قرآن کی لاعلمی کا جواز رکھ کر آئندہ ایسا واقعہ یا حادثہ نہ ہونے کا وعدہ کیا۔

3۔مکرم طاہر محمود گل صاحب

(اسیر 20-2-2011تا6-6-2011)

وہ بتاتے ہیں کہ ہم سب کو ہتھکڑیاں لگا کر پہلے I.D.C میں اور پھر واپس تھانے میں پہنچادیا گیا اور ہم دو دن اور دو راتیں تھانے میں ہی رہے۔تیسرے دن ہمیں بغیر ناشتہ کئے وہ عدالت میں لے گئے جہاں ہم پر جرمانہ ہوا۔اس کی ادائیگی کے بعد وہ شام 6:30 بجے ہم سب کو دوبارہ I.D.C میں لے آئے۔رات کو چونکہ ہمارا کوئی I.D.C انٹری کارڈ نہیں بنا تھا اس لئے ہمیں کھانا نہ مل سکا اور اگلے دن ہمارے انٹری کارڈ اور ضروری کاغذات کے اندراج کے بعد ہمیں کمرہ نمبر 4 میں بھیج دیا گیا جہاں پہلے سے کچھ پاکستانی احمدی قید تھے۔ یوں اگلے 40/45 گھنٹے کے بعد ہمیں سادہ پانی پینا نصیب ہوا۔سب سے مشکل گھڑی وہ

تھی جب ہمیں عدالت سے I.D.C میں لایا گیا اور عورتوں اور بچوں کو ہم سے الگ کرنے کا مرحلہ آیا تو ہمارے بچے ہم سے چمٹتے رہے اور پولیس والے بچوں کو چھین چھین کر ہم سے الگ کرتے رہے۔ بچوں کو یا تو والد کے ساتھ اور یا ماں کے ساتھ رکھا جا سکتا تھا لیکن بچوں کا تبادلہ ایک ہفتہ کے بعد ممکن تھا۔

وہ مزید بتاتے ہیں کہ میری تین سال کی ایک ہی بیٹی ہے جو مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہے۔ اسے بھی مجبوراً ماں کے پاس رہنا پڑا۔ یہاں ان دنوں جلدی بیماری عام تھی چنانچہ میری بیٹی کے جسم پر دانے نکل آئے جو کم از کم سات آٹھ دن رہے۔ اس دوران میں اپنی اہلیہ کو خط لکھ کر بچی کی خیریت پوچھتا جس کا جواب اگلے دن کسی ملاقاتی کے ذریعے موصول ہوتا۔ موبائل رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ بچوں اور اہلیہ سے ہم صرف کسی ملاقات کرنے والے کی وجہ سے یا مہینہ کے آخر میں فیملی ڈے والے دن مل سکتے تھے۔ وہ بھی صرف ایک گھنٹہ سے دو گھنٹہ تک۔

ہم ایک ہال میں تقریباً 100 کے قریب افراد تھے اور بچا ہوا کھانا اندر ہال کی لیٹرین میں سب رکھتے تھے جو تین دن کے بعد باہر جا سکتا، جبکہ کبھی یہ دورانیہ تین سے چھ دن تک بڑھ بھی جاتا جس سے خراب کھانے کی نہایت گندی بُو ہر طرف پھیل جاتی۔ میں ان حالات میں خود بھی کافی بیمار رہا۔ خوراک کی کمی اور گندہ ماحول ہونے کی وجہ سے میری حالت غشی تک پہنچ جاتی۔ ان حالات میں دورانِ نماز ہماری چیخیں نکل جاتیں اور ہمیں اپنے بچنے کی صرف اللہ تعالیٰ سے اُمید تھی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ الٰہی مدد ہم تک بہت جلدی پہنچ گئی۔

ہمارے ساتھ برما کے کافی مسلم لوگ تھے جو ہمارے ساتھ نماز وغیرہ بھی پڑھ لیتے تھے مگر اسی دوران مئی 2011ء میں چند پاکستانی غیر از جماعت لوگ ہماری بیرک میں آئے تو انہوں نے ان برمی لوگوں کو ہمارے خلاف خوب بھڑکایا اوران کو یوں کہا کہ پاکستان میں یہ لوگ غیر مسلم ہیں اور ہم تو انہیں اس طرح کھل کر نمازیں بھی ادا نہیں کرنے دیتے۔ چنانچہ اس کے چند دن بعد وہ تو واپس پاکستان چلے گئے مگر یہ برمی لوگ ہمارے خلاف ہو گئے۔ اب وہ ہم سے لڑائی کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے اور نماز بھی الگ پڑھتے لیکن ہم ہمیشہ ان سے نیک سلوک کرتے۔ وہ ہماری نماز اور سجدوں میں رونا اور دعائیں کرنا دیکھتے رہتے اور آہستہ آہستہ پھر ہمارے قریب ہوتے گئے۔ وہ تو دو تین سال سے وہاں رہ رہے تھے۔

جب انہوں نے ہمارے اسائلم کیس کامیاب ہوتے دیکھے اور باہر سے جماعتی تعاون کو دیکھا نیز ہمارے دو جلسے جو ہم نے اندر کئے تھے، دیکھے تو کافی متاثر ہوئے۔ پھر اس کے بعد جب انہوں ہماری ضمانت ہونے کی خبریں سنیں تو مان گئے کہ آپ لوگ سچے ہیں اور وہ پاکستانی جھوٹے تھے۔ آپ کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں اور وعدہ کیا کہ ہم باہر آ کر سب لوگ احمدی ہو جائیں گے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بنگلہ دیش کے ایک مولوی صاحب جن کی کافی لمبی داڑھی تھی وہ ہماری بیرک میں آ گئے۔ ان دنوں برمی لوگ پاکستانی لوگوں کے کہنے پر ہمارے مخالف ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مولوی صاحب کو ہمارا تعارف کروایا جس پر وہ ہمارے پاس آئے اور چند سوال کئے۔ چند دن وہ ہماری نمازیں اور سجدے دیکھتا رہا۔ وہ کافی حیران تھا کہ یہ لوگ کیسے غیر مسلم ہیں جو نمازیں رو رو کر پڑھتے

ہیں اور قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ اوپر سے ان دنوں پولیس نے ہمیں ایک ٹی وی اور DVD پلیئر دے دیا جس پر ہم نے حضورِ انور کا پچھلے جمعہ کا خطبہ باہر سے بذریعہ CD منگوا کر اجتماعی طور پر دیکھنے کا اہتمام کیا جوان مولوی صاحب نے بھی سنا۔ اس کے بعد وہ بولا کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اور کہنے لگا کہ آپ مجھے بنگلہ دیش کی جماعت کا پتہ دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ باہر جا کر اپنی جائیداد اپنے بچوں کے نام لکھوا کر فارغ ہو کر احمدی ہو جاؤں گا۔

4۔ مکرمہ شگفتہ شاہد صاحبہ اہلیہ مکرم شاہد محمود صاحب

(اسیر 20-2-2011 تا 6-6-2011)

وہ لکھتی ہیں کہ ہمیں دو دن تھانہ میں رکھ کر تیسرے دن تقریباً 40/45 گھنٹے بھوکا رکھ کر شام تقریباً ساڑھے چھ بجے بجے I.D.C بیرک نمبر 11 میں جہاں پہلے سے چند احمدی عورتوں اور بچوں سمیت تقریباً 250 سے 300 تک نفوس قید تھے، پہنچایا گیا۔ گنجائش کے لحاظ سے یہ بیرک 80 سے 100 تک نفوس کے لئے بنی تھی۔ اندر کا نہایت گندہ ماحول، جگہ کی تنگی اور بچوں کا رش ایک الگ مسئلہ تھا۔ نیز اتنی بڑی تعداد کے لئے صرف دو لیٹرین جن کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ استعمال کے وقت ہم دروازہ اُٹھا کر آگے رکھتی تھیں۔

صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ نہانے کی جگہ اوپن تھی جہاں تمام غیر ملکی خواتین برہنہ ہی غسل کرتیں جو ہمارے بچوں کی نفسیات کے لئے کافی نقصاندہ اور بُرا تھا۔ ہم احمدی عورتیں اپنی ساتھی احمدی عورتوں کے ذریعہ چادروں کا پردہ کروا کر غسل کرتیں۔ پانی کا انتظام بہت ناقص اور گندہ، پانی شام کو کچھ دیر کے لئے بند بھی ہو جاتا۔ خارش اور جلدی

بیماریوں کا اندر مکمل راج تھا جن سے ہمارے بچے بھی متأثر ہونے لگے۔ان حالات سے لڑنے کے لئے ہم سب احمدی لجنات نے حوصلہ پیدا کرنے کا سوچا اور پھر نمازِ تہجد باجماعت شروع کی جس میں عورتیں اور بچے رو رو کر دعائیں کرتے اور اپنے ربّ کی مدد پکارتے۔

تمام نمازیں انفرادی ادا ہوتیں۔کچھ عرصہ نمازیں باجماعت بھی ہوئیں۔ بچوں کی تربیتی کلاس، قرآنِ پاک کی کلاس، تلاوت اور دینی تعلیم کا بندوبست کیا گیا۔ نیز درود شریف کا اور دعاؤں کا ورد ہر وقت کیا جاتا۔ ہماری دعا کرنے کی حالت کو دیکھ کر غیر ملکی عورتیں حیران ہوتیں اور بعد میں ہمارے بدلتے ہوئے حالات اور پے در پے ہمارے اوپر نازل ہوتے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو دیکھ کر بے حد متأثر ہوئیں اور ہم سے چند دعائیں لکھوا کر وہ بھی یاد کرنے لگیں۔ چنانچہ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ اس کے بعد ان عورتوں کے دو تین سال سے لٹکے کیس بھی پاس ہونے شروع ہو گئے۔

ایک دن ہماری بیرک کی تلاشی کرنے کے لئے پولیس والے آ گئے اور ہمیں الگ کر کے ہماری تمام چیزیں اِدھر اُدھر پھینکنے لگے۔اس دوران انہوں نے ہمارے قرآنِ پاک کو اٹھایا اور پھینکنے ہی لگے تھے کہ ہم تمام عورتیں چیخ پڑیں اور انہیں بتایا کہ یہ ہماری پاک مقدس کتاب ہے۔ چنانچہ اس پر انہوں نے قرآنِ پاک اُدھر ہی رکھ دیا۔

ایک اور دعا کا معجزہ یوں ہوا کہ ہماری ایک احمدی چیمہ خاندان کی بہو جو انڈین نیشنیلٹی ہولڈر اور درویشانِ قادیان سے تعلق رکھتی تھی، اس کے پورے گھرانے کا کیس تو پاس ہو گیا مگر اس کا کیس اس لئے پاس نہ ہو سکا کہ یہ انڈین ہیں اور وہاں ان کو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اس افسوس ناک صورتحال پر اس بچی نے بہت رو رو کر دعائیں کی اور اپنے مولیٰ سے معجزانہ مدد مانگی، چنانچہ دو تین دن میں ہی امریکہ کی ایمبیسی نے اس بچی کو بغیر کیس پاس ہوئے اس کے باقی گھرانے کے ساتھ قبول کر لیا جو اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔

5۔مکرمہ امۃ القدوس صاحبہ اہلیہ مکرم کاشف محمود بٹ صاحب

(اسیر 11-2-20 تا 2011-6-6)

یہ اُن تین احمدی خواتین میں سے ایک تھیں جو گرفتاری کے وقت حاملہ تھیں۔ ان سخت ترین دنوں کو یاد کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ اندر صفائی کا ناقص انتظام، زیادہ رش، جگہ کی اور خوراک کی کمی کی وجہ سے بے حد تکالیف تھیں۔ اگر کسی عورت کو کوئی تکلیف ہوتی تو باقی عورتیں بیرک کا دروازہ کھٹکھٹاتیں اور کافی شور ڈالنے کے بعد پولیس والے آتے۔ مریض کو ایک چادر میں ڈال کر دو پولیس والے لٹکا کر باہر لے جاتے۔ اسے ہسپتال تک لے جانے کا مرحلہ خوش قسمتی سے کسی کسی کو ملتا ورنہ اندر ہی موجود ایک نام کی ڈسپنسری سے چھوٹی موٹی دوائی دے کر واپس بیرک میں بند کر جاتے۔ ان سارے حالات کو دیکھ کر میں سخت خوفزدہ تھی اور ہر وقت دعا کرتی رہی۔ دوسری طرف اندر میری صحت کے لحاظ سے کوئی میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ کا انتظام نہ تھا اور نہ ہی ماہوار طبی معائنہ ہو سکا اور پھر مورخہ 06.05.2011 کو مجھے ہسپتال جانا پڑا۔ چنانچہ پہلا مرحلہ بفضلہٖ تعالیٰ احسن رنگ میں ہی طے ہوا اور مجھے ایک گھنٹہ I.D.C میں بٹھانے کے بعد پولیس والے ایمبولینس میں ڈال کر پولیس ہسپتال لے گئے۔ چنانچہ وہاں مجھے داخل کر لیا گیا جہاں ایک قیدی ہونے کی وجہ سے عملے نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ بہر حال شام کو اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک پیاری سی بچی سے نوازا اور تھوڑی

دیر بعد وہ مجھے ایک وارڈ میں لے آئے جہاں پر ایک ڈاکٹر میرے پاس آیا اور بڑے ادب سے بولا کہ میں معذرت کے ساتھ آپ کو ہتھکڑی لگانا چاہتا ہوں کیونکہ یہ ہمارا قانون ہے۔آپ ہاتھ پر ہتھکڑی لگوانا پسند کریں گی یا پاؤں پر لگا دوں۔ میں نے اپنا بایاں ہاتھ آگے کر دیا جس پر اس نے ہتھکڑی لگائی اور مجھے اپنے ہی بیڈ کے ساتھ ایک زنجیر کے ذریعہ باندھ دیا گیا۔اس دوران مجھے کوئی پانی یا جوس وغیرہ تک نہیں دیا گیا اور تیسرے دن اسی حالت میں مجھے واپس I.D.C میں لایا گیا۔

میرے لئے یہ سخت ترین دن تھے جب میرے ساتھ میری معصوم تین دن کی بچی کو بھی اب قید کاٹنی تھی۔ مجھے سخت بخار تھا جو ایک ہفتہ تک رہا۔میرا جسم بے حد دکھ رہا تھا اور جسم میں سخت درد تھا لیکن مجھے ننگی زمین پر اپنی بچی کو ساتھ لے کر لیٹنا تھا۔صرف ایک پتلا سا کمبل میرا بستر تھا اور تقریباً ڈیڑھ فٹ چوڑی جگہ میری کُل جائیداد تھی۔خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا جبکہ ایک J.R.S نام کی این جی او نے کچھ بسکٹ اور کچھ دودھ مجھے دیا تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں نے بچی کو ویکسین دینے کا کہا تو پولیس نے انکار کر دیا کہ ہمارا قانون نہیں ہے۔میں آرام کرنا چاہتی تھی مگر اتنے رش اور شور شرابے میں آرام وسکون کرنا صرف میرا ایک خواب تھا۔

میرے شوہر جو ساتھ ہی دوسرے کمرے میں قید تھے ان کو اس ساری صورت حال سے بے خبر رکھا گیا۔ اور دس دن بعد مذکورہ این جی او کی مدد سے میرے شوہر کی میری ملاقات کروائی گئی اور انہوں نے اپنی بچی کو پُرنم آنکھوں سے دیکھا۔ یہ حالات ہمارے قابو سے باہر تھے اور ہم اپنے اللہ پر کامل توکّل کرتے ہوئے دعا کرتے رہے اور حضور انور

کو بھی دعا کا خط لکھتے رہے۔

6۔مکرمہ صائمہ نورین اظہر صاحبہ اہلیہ مکرم اظہر احمد خالد صاحب

(اسیر 10-12-14 تا 2011-6-6)

یہ فرماتی ہیں کہ ہمیں 14 دسمبر 2010ء کو گرفتار کر کے سیدھا I.D.C میں لے جایا گیا جہاں پہلے دن ہمیں جس کمرے میں عارضی قید کیا گیا وہ ایک بہت چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ہم چالیس سے زیادہ نفوس تھے۔ کمرے میں کھڑا ہونے کی بھی جگہ نہ تھی۔ ساری رات ہم نے کھڑے ہو کر گزارنا تھی۔ سانس بند ہو رہا تھا، جبکہ دو خواتین پہلے ہی سانس کی مریضہ اور عمر رسیدہ تھیں اور ایک خاتون اپنے پہلے بچے کی آخری ماہ کی حاملہ تھیں۔ اس صورت میں پوری رات گزارنا ان کے لئے بے حد مشکل تھا۔ چنانچہ ہم نے پولیس والوں کو بلایا اور ان تین عورتوں کو باہر کھلی جگہ نکالنے کی درخواست کی تو انہوں نے ان تینوں خواتین کو ہمارے کمرے سے نکال تو لیا مگر صبح جب وہ واپس آئیں تو انہوں نے بتایا کہ پولیس والوں نے ان کو دوسری جگہ باتھ روم میں بند کر دیا تھا اور یوں ان کو ساری رات باتھ روم میں رات گزارنا پڑی۔ اگلے دن عدالت میں ہمیں پیش کیا گیا اور بعد جرمانہ دوبارہ یہاں واپس پہنچا دیا گیا اور ہمارے کارڈ تیار کر کے کمرہ نمبر 11 میں قید کیا گیا جہاں پر پہلے ہی دوسرے کئی ملکوں کی 250 سے زیادہ عورتیں اور بچے کئی کئی سال سے بند تھے۔

ہال عورتوں اور بچوں سے بھرا ہوا تھا اور ہمیں اندر موجود دو لیٹرینوں (جن کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے اور ان کا گندہ پانی باہر آ رہا تھا) کے سامنے بیٹھنے کی جگہ ملی جہاں لیٹنا تو درکنار بیٹھنا بھی ناممکن تھا۔ ہم لوگ باری باری سوتے اور یوں ہمارے کچھ دن

اسی حالت میں گزرے اور پھر 27 دسمبر 2010ء کو ہمارے چند بیمار لوگ اور ان کے اہلِ خانہ جن کی تعداد تقریباً 35/40 بنتی تھی مایوس ہوکر واپس پاکستان چلے گئے اور کچھ جگہ کی گنجائش پیدا ہوئی۔ ایک احمدی حاملہ خاتون جن کا میں نے پہلے ذکر کیا کو چند دن بعد ہی پولیس ہسپتال میں لے جایا گیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے پہلے بیٹے سے نوازا۔ ان کے پاؤں کو اتنی موٹی زنجیر کے ساتھ بیڈ سے باندھا گیا کہ وہاں یہ ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ وہ اور اس کا خاوند ایک ماہ اندر رہنے کے بعد واپس پاکستان چلے گئے۔

بچوں کی تعلیم و صحت کا کوئی انتظام نہ تھا، کھانا نہایت گندہ اور بدذائقہ، پانی کا کوئی بندوبست نہیں اور پینے کو شدید گرم پانی۔ ہمیں کپڑوں سمیت نہانا پڑتا کیونکہ غسل کی جگہ اندر نہ تھی۔ ہمارے پاس کپڑوں کی بھی شدید تنگی تھی کیونکہ گرفتاری کے وقت ہمیں برقعہ پہننے کی بھی مہلت نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ کچھ کپڑے ہم نے سری لنکن عورتوں سے مانگ کر بھی پہنے۔ اسی طرح بچوں کے پرانے کپڑے دھوکر وہی کپڑے پہنانے پڑتے۔

شروع میں نہ ہمیں یہاں کے قانون کا پتہ تھا، نہ برتن، نہ بستر اور نہ کھانے کی کوئی چیز۔ ایک بھیانک دَور تھا جو اپنی سختی میں عروج پر پہنچ کر شروع ہوا تھا۔ بچے روٹی کے لئے سخت روتے۔ بھوک کی وجہ سے تمام لوگ بہت کمزور ہو رہے تھے۔ سونے کیلئے صرف ایک کمبل بچھونا تھا جو دس پندرہ دن کے بعد ایک این جی او نے ہمیں دیا تھا۔ پندرہ بیس دن بعد جب مقامی جماعت نے ہمارے لئے روٹی کا انتظام کر دیا تو کچھ پریشانی حل ہوئی۔ سب سے زیادہ بچوں کو دیکھ کر دُکھ ہوتا کیونکہ ان کے لئے نہ کھانا تھا نہ کھیلنے کی جگہ تھی، نہ سونے کا بندوبست تھا، نہ ہی تعلیم کا کوئی انتظام تھا۔ بچے مسلسل بیمار ہو رہے تھے اور جلدی

بیماریوں کا تو شدید حملہ تھا اور چونکہ تازہ ہوا کا بھی اندر کوئی انتظام نہ تھا اس لئے سانس کی تکلیف عام تھی۔ میرے چھوٹے بیٹے عزیزم عثمان خالد عمر 9 سال 6 ماہ کو ایک دفعہ رات کو سانس کی تکلیف ہوگئی جو پہلے بھی اسی بیماری کا مریض تھا۔ چنانچہ میرے شوہر مکرم اظہر احمد خالد صاحب نے اسے ڈاکٹر کو چیک کروانے کی پولیس سے بات کی تو پولیس والے ان دونوں کو بیرک سے نکال کر ساتھ لے گئے اور انہیں اس بیرک میں بند کر دیا جس میں چند پاگل لوگ قید تھے اور ساری رات وہاں سخت پریشانی میں گزار کر صبح سفارش کروا کر واپس اپنی بیرک میں آئے۔

ان حالات کے باوجود ہماری تمام عورتوں نے پہلے دن ہی سے یہ کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ وقت دعاؤں میں گزرے۔ ہم نے باجماعت نماز اور تہجد کا انتظام کیا۔ مسز منور چیمہ احمد صاحبہ جو پاکستان میں ایک سکول ٹیچر تھیں، نے کافی محنت کر کے بچوں کو قرآنِ پاک کی کلاس، تلفظ کی کلاس اور دعاؤں کا ورد کرنے کا انتظام کیا۔ نیز باجماعت نماز اور تہجد کے علاوہ نفلی روزہ کا بھی انتظام کیا گیا اور فارغ وقت میں نظموں کا مقابلہ بھی ہوتا۔ خاص کر 'دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو' اور 'دشمن کو ظلم کی برچھی سے' والی نظمیں بڑے اچھے انداز میں پڑھی جاتیں۔ اجلاسات ہوتے اور پورا دن کسی نہ کسی رنگ میں عبادت میں گزارنے کی کوشش ہوتی۔ ہماری عبادتوں کا معیار الحمدللہ کافی بہتر ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے ممالک کی عورتیں ہماری عبادت کرنے سے متأثر ہونے لگیں۔

چنانچہ 2 سری لنکن عورتیں ہمارے پاس آئیں جن میں سے ایک ڈیڑھ سال سے اور دوسری تین سال سے یہاں قید تھی۔ وہ ہم سے پوچھنے لگیں کہ آپ کون سی دعائیں پڑھتی

رہتی ہیں، آپ ہمیں بھی یہ دعائیں سکھائیں ۔ چنانچہ ہم نے انگلش میں ایک دو دعائیں انہیں لکھ دیں جن کا وہ روزانہ ورد کرتیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دکھایا کہ ان عورتوں کا اسائلم کیس بھی پاس ہو گیا اور اگلے مراحل اتنے تیز ہوئے کہ آج ان میں سے ایک نیوزی لینڈ اور دوسری ہمارے بعد ضمانت کروا کر باہر آزادی کی زندگی گزار رہی ہے اور اگلا پروسیس جاری ہے۔

7 - سری لنکن دیویا (Divya) نامی ایک لڑکی لکھتی ہیں کہ

(انگلش تحریر کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے)

میں ایک 20 سالہ سری لنکن لڑکی ہوں۔ اس آرٹیکل کے ذریعہ میں آج ان پاکستانی احمدیہ جماعت کی عورتوں کے بارے میں اپنی رائے اور اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتی ہوں جو میرے ساتھ I.D.C میں تھیں۔ دراصل میں اس کمیونٹی کے ساتھ تقریباً 6 ماہ تک ایک بیرک میں قید رہی ہوں۔ وہ تمام پاکستانی احمدی خواتین جو میرے ساتھ I.D.C میں میری بیرک میں آئیں بہت تعاون کرنے والی تھیں اور حقیقتاً ہر ایک کی جو اس Detention میں تکلیف میں ہو، مدد کرنے کی خواہش مند رہتی تھیں۔ مثال کے طور پر ہمارے سری لنکن لوگ جن کو اُس وقت Visit (ملاقات) پر جانے کی اجازت نہیں تھی تو یہ پاکستانی خواتین جو Visit (ملاقات) پر جاتیں اور اپنے باہر سے ملنے والوں سے بہترین کھانے کی چیزیں حاصل کرتیں اور پھر وہ اُن تمام خواتین کے ساتھ کھانا شیئر کرتیں جن کے پاس مناسب خوراک نہیں ہوتی۔ ہم بہت زیادہ

خوش تھیں کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا پینا شیئر کرتی ہیں۔

پاکستانی خواتین بہت حساس تھیں کیونکہ انہیں ان مشکلات وسخت حالات کا تجربہ نہیں تھا۔ اگر وہ کسی کو روتا، چیختا دیکھتیں یا کسی کی کوئی بری خبر سنتیں تو اُس کے لئے روتیں اور دُعا کرتیں۔ وہ کبھی بھی اپنی عبادت (نماز) کا وقت کھونا یا گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ صبح سے قبل کی عبادت (نمازِ تہجد) کو کبھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں بلکہ انہیں اس پر پورا یقین تھا۔ اگر انہیں کوئی اچھی خبر ملتی تو سب سے قبل وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں پھر وہ سب اکھٹی ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتیں۔ وہ ہر ایک کے ساتھ اپنی خوشیاں بانٹنا چاہتی تھیں۔

ان کی عبادت کرنے کا طریقہ بہت خوبصورت اور مقدّس ہے۔ جو لوگ انہیں عبادت میں دیکھتے ان کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ سب سے اہم بات یہ کہ ان کی چیزیں بانٹنے اور دینے کی عادت بہت خوبصورت ہے۔ میں ذاتی طور پر بہت پسند کرتی ہوں اور اس کی اصل وجہ ''محبت'' ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص ان سے بدتمیزی سے پیش آتا اور پھر وہی شخص اگر مصیبت میں ہو تو یہ پاکستانی لوگ سب سے پہلے اس کی مدد کو تیار ہوتے تھے۔ تمام خواتین میں یہی خوبصورت جذبات تھے۔ وہ کبھی بھی اپنی ذاتی حیثیت سے نہیں سوچتی تھیں بلکہ ہر وقت وہ ''ہم'' کہتی تھیں 'میں' نہیں۔

میں ان پاکستانی احمدی ننھے فرشتوں (بچوں) کے بارے میں بھی اپنے

جذبات کا اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ وہ بہت قیمتی ہیں۔ بے حد محبت کرنے والے ہیں وہ ہر اس بندے سے دُور نہیں جانا چاہتے جن سے وہ محبت کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک پاکستانی خاتون جیل میں تمام بچوں کے لئے ایک مذہبی کلاس لگاتی تھیں اور کوئی بچہ بھی اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

یہ ایک خوبصورت اور دل موہ لینے والا منظر تھا جب عورتیں اپنے سروں کو ڈھک کر عبادت کرتیں اور بچے مکمل طور پر اپنی ماؤں کی پیروی کرتے تھے۔ چھوٹی ہی عمر میں ان میں بانٹنے (Share کرنے) کی خوبی پیدا ہو گئی تھی۔

اب میں ان کے لباس کے بارے میں بھی ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ یہ تمام خواتین اپنے لباس کے بارے میں بہت فکرمند رہتی تھیں۔ وہ کبھی بھی بغیر سر ڈھکے اور بغیر برقعہ کوٹ پہنے باہر نہیں جانا چاہتی تھیں جو کہ ان کے اپنے لباس کو چھپا لیتا تھا۔ میں نے جب ان سے پوچھا کہ آپ اس طرح اپنے آپ کو کیوں ڈھانپ کر رکھتی ہیں تو انہوں نے کہا کہ ''عورت بہت قیمتی ہے'' اور میں اس سے اتفاق کرتی ہوں یہ میری بہت ہی خوش نصیبی ہے کہ ایسے لوگ میرے دوست ہیں۔

اب جب کہ میں یہ صفحات لکھ رہی ہوں تو بہت ہی خوشگوار ماحول میں رہ رہی ہوں۔ جہاں تازہ ہوا ہے، اچھی خوراک ہے اور سب اچھا ہے۔ میں I.D.C میں دو سال قید رہی ہوں ہم جب سے گرفتار ہوئے تھے تب سے اپنی Bail (ضمانت) کروانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ہمیشہ افسرانِ بالا کی

طرف سے ایک ہی جواب ملتا تھا کہ ''نہیں'' لیکن جب سے (پاکستانی) جماعتِ احمدیہ نے کوشش کی اور ضمانت کے لئے امیگریشن سے منظوری حاصل کر لی تو یہ ایسا ہی تھا کہ تمام قوموں کے لئے Bail (ضمانت) کروانے کا دروازہ کُھل گیا۔ اب تو بہت سے سری لنکا کے لوگ I.D.C سے اپنی Bails کروا چکے ہیں جو کہ پاکستانی (عالمگیر) جماعت احمدیہ نے ہماری رہنمائی کی۔ اس کے لئے ہم سب ان کے بہت شکرگزار ہیں۔

اب ہم ایک اچھے ماحول میں ہیں، ہمارے بچے اب بغیر کسی بیماری کے ہیں۔ یہ ایک بہت حیرت انگیز واقعہ تھا جس کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ ہمیشہ ہمارے ذہنوں میں رہے گی۔ میں ہر ایک کے لئے یہی تجویز کرتی ہوں کہ وہ اس کمیونٹی کے ساتھ دوستانہ روابط رکھے جو کہ سب کے لئے بہت خوبصورت محبت کرنے والی اور مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے ساتھ ہو۔ آمین۔

8۔ مکرم منصور احمد صاحب و مکرم ہارون محمود صاحب

(اسیر 2009-9-12 تا 2011-6-6)

یہ دو احمدی خادم جن کی تقریباً 20/22 سال عمریں ہیں۔ ان کو تھائی لینڈ میں سب سے زیادہ I.D.C میں اسیر رہ کر دکھ اور تکالیف اٹھانی پڑیں۔ چنانچہ اپنی نہایت دکھ بھری داستان سناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرا نام منصور احمد اور میرے بھائی کا نام ہارون محمود ہے۔ 12 ستمبر 2009ء کو ہمیں اور ہمارے ایک دوست مکرم شاہد محمود (جو 15 دن بعد واپس پاکستان چلا گیا) کو تھائی پولیس

نے ہمارے کمرے سے گرفتار کیا اور I.D.C میں قید کر دیا جہاں ہم لوگوں نے تقریباً 21 ماہ گزارے۔ آج میں اپنے ان گزرے ہوئے سخت ترین حالات کا مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

گرفتاری کے پہلے تین دن تک ہمیں تھائی جیل میں رکھا گیا اور پھر I.D.C جیل کمرہ نمبر 3 میں شفٹ کر دیا گیا۔ شروع میں تو ہمیں رہائی کی کچھ امید تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ مایوسی بڑھتی گئی اور پھر ہمیں یہ یقین ہوتا گیا کہ اب منزل حاصل کرنے تک شاید ہمیں یہیں رہنا پڑے گا جہاں نہ کھانا تھا، نہ سونے کی جگہ تھی، نہ پینے کو صاف پانی تھا، نہ تازہ ہوا تھی اور نہ ہی صفائی کا کوئی بندوبست تھا۔ ہم اکیلے پاکستانی تھے جبکہ سری لنکا کے کافی امیر اور وسیع تعلقات والے لوگ ہمارے ساتھ بیرک میں تھے جن کے لئے باہر سے اچھے کھانے آتے جو ہمارے سامنے کھائے جاتے۔ ان کی روزانہ اپنے دوستوں سے ملاقاتیں بھی ہوتی مگر ہمیں وہی چاول اور کھیروں کا سوپ ملتا وہ بھی تینوں اوقات میں۔ جن میں سے اکثر کیڑے اور سونڈیاں نکلتی تھیں جن کو دیکھ کر کراہت آتی تھی اور وہ کھانا تو جانور بھی پسند نہ کریں۔

اس کے بعد ہم نے UNHCR میں خط پہ خط لکھے کہ ہمارا انٹرویو لے لیں مگر یو این ایچ سی آر نے تقریباً اڑھائی ماہ بعد انٹرویو کے لئے بلایا۔ انٹرویو ہونے کے بعد ہمیں کچھ تسلی ملی۔ ہم نے سوچا کہ شاید آئی ڈی سی میں رہنے کی وجہ سے یہ ادارہ ہم پر کچھ ترس کھائے مگر پانچ مہینے کے طویل انتظار کے بعد ہمارا کیس مسترد (Reject) کر دیا گیا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ ہم اپنے والدین، بہن بھائی اور عزیز دوست سب کچھ چھوڑ کر اس قید میں رہتے

ہوئے بھی واپس پاکستان کیوں جانا نہیں چاہتے۔

بہرحال ہم نے دوبارہ اس فیصلے کے خلاف اپیل کردی۔ اسی دوران ہمارا ایک اور احمدی ساتھی جس کا نام مکرم محمود احمد ناصر تھا نومبر 2009ء کو گرفتار ہوکر ہمارے پاس آ گیا۔ بعد میں اس کا کیس بھی Reject ہوگیا اور وہ تقریباً 13 ماہ قید کاٹنے کے بعد مایوس ہوکر واپس پاکستان چلا گیا کیونکہ اسی دوران اس کے بھائی عزیزم عرفان احمد صاحب 28 مئی 2010ء کے لاہور کے المناک واقعہ میں شہید ہو گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین)

ہفتہ میں صرف دو بار ہمیں باہر کھلے آسمان کے نیچے لایا جاتا تھا اور وہ بھی صرف ایک یا دو گھنٹوں کے لئے۔ ہمارے لئے تو وہ وقت انتہائی خوشی کا وقت ہوتا کہ ہم آسمان کو دیکھ رہے ہوتے، البتہ ہم سلاخوں کے پیچھے ہی ہوتے تھے۔ اس دوران سبھی سری لنکن والی بال وغیرہ کھیلتے تھے کیونکہ وہ خوش تھے۔ مگر ہم تو خوشی کے تصوراتی احساس سے بھی لاعلم ہو چکے تھے۔ ہمیں تو بس ایک ہی خیال آتا اب کیا ہوگا۔ ہم آسمان کو دیکھ کر بھی آزادی کی دعا کرتے۔ اب تو کمرہ میں موجود سلاخیں دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی تھی۔ کمرہ میں دیواروں پر ہر طرف کپڑے ہی کپڑے، بیگ اور برتن ہی نظر آتے تھے۔

دروازے میں موجود سوراخ میں سے جب کھانا دیا جاتا تو لوگ اس طرح اچھلتے چھلانگیں مارتے دروازے کے پاس پہنچ جاتے جیسے مرغیوں کو دانہ ڈالا جائے تو وہ اڑتی ہوئی دانے پر جھپٹ پڑتی ہیں۔ اندر ہر طرف خودغرضی کا راج تھا، ہر آدمی باہر سے آنے والے نوالے کو صرف اپنے منہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ ہمارا کیس

پاس ہوجائے اور ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں خواہ اس کے واسطے کیسے بھی حالات دیکھنے پڑیں۔مگر ہماری منزل کے راستہ میں مسائل کا ایک بہت بڑا اسراب تھا۔

ہماری بیرک میں لیٹنے کی بھی جگہ نہ تھی اور شروع کے چھ ماہ تو ہم لال بیگوں میں ہی سوتے رہے۔کیونکہ صفائی کرنے کے باوجود لال بیگ (کاکروچز) جان نہیں چھوڑتے تھے۔بہرحال چھ ماہ بعد اسپرے شروع ہوگئی تھی۔کمرہ میں صرف ساٹھ ستر لوگوں کی جگہ تھی جب کہ کبھی 100، کبھی 120، کبھی 130 یہاں تک کہ کئی دفعہ 150 سے اوپر بھی تعداد پہنچ جاتی۔

اندر گندگی کی وجہ سے جلدی بیماریاں بہت زیادہ پھیلی ہوئی تھیں جن سے ہم دونوں بھائی مسلسل جلدی بیماریوں میں مبتلا رہے۔ایسے لگتا تھا جیسے ہم میں قوتِ مدافعت ہی ختم ہوگئی ہے۔ایسے پھوڑے پھنسیاں ہم دونوں کو نکلے جن کی وجہ سے سونا، جاگنا، لیٹنا، بیٹھنا بلکہ چلنا اور نماز پڑھنا بھی مشکل تھا۔مگر ہم اللہ تعالیٰ کے بہت مشکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمیشہ پنجوقتہ نمازیں پڑھنے اور تہجد بھی باقاعدگی سے پڑھنے کی توفیق دی۔نیز میں نے اندر رہ کر 9 دفعہ قرآنِ پاک بھی ختم کیا اور میرے بھائی نے 2 دفعہ۔الحمدللہ

ہم نے گھر والوں کو کبھی یہ حالات نہیں بتائے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ہم ان کو جھوٹی تسلیوں کے سوا کچھ نہیں دے سکتے تھے۔حالانکہ وہ اس انتظار میں تھے کہ کب ان کے بچے اپنی منزل کو پالیں۔وہ تو ہمیں بار بار یہی پوچھتے تھے کہ کیا بنا، کیا بنا؟ ایک وقت ایسا تھا جب ہارون کی ٹانگوں پر تین ماہ لگاتار پیپ والے دانے اور پھوڑے نکلتے رہے جن سے خون نکلتا رہتا تھا۔ہم سارا ہفتہ ڈاکٹر کا انتظار کرتے رہتے۔وہ تو ڈھنگ سے بات

بھی نہیں سنتی تھی اور جب دوائی دیتی تو اپنی مرضی سے دے دیتی جس سے آرام بھی نہ آتا۔

پینے کا پانی ایسا ہوتا تھا کہ اس میں سے بدبو آتی تھی اور اس میں چھوٹے چھوٹے ذرے بھی ہوتے تھے، ہم دونوں تقریباً چھ ماہ تک ایسے کیڑے کا شکار بھی رہے جو کہ جسم پر موجود زیادہ تر بالوں والے حصوں پر چمٹ جاتے اور سارا دن وہاں خارش ہوتی رہتی ایسے لگتا جیسے کانٹے چبھ رہے ہیں۔اس تکلیف میں سوتے سوتے کئی گھنٹے لگ جاتے۔تقریباً دو ماہ لگاتار میرے جسم پر ایسے پھوڑے نکلتے رہے جن کی وجہ سے جسم کا متاثرہ حصہ سوج جاتا اور پھوڑوں میں سے خون بہتا رہتا اور کپڑے بار بار بدلنے پڑتے۔

میں یہاں عید کے بارے میں بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔دراصل عید ایک خوشی کا دن ہے۔اگر ہم آزاد ہوتے تو شاید عید کی خوشی سے لطف اندوز ہوتے۔مگر سلاخوں کے پیچھے بھی کیا عید ہوتی ہے۔ہمیں تو شاید ہی کسی نے عید مبارک کہا ہو۔چار عیدیں ہم نے I.D.C جیل میں اپنوں سے دُور رو رو کر گزاریں۔امیگریشن نے تو دو عیدوں پر ہمیں کمرے سے باہر نہ نکالا۔لوگ تو عید پر نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں اور اچھے اچھے کھانے کھاتے ہیں۔یہ چیزیں تو درکنار ہم تو عید مبارک کے الفاظ سننے کو ترس گئے۔ہماری تو یہ دعا ہے کہ اللہ کسی کو ایسے دن نہ دکھائے۔

جگہ کی کمی کی وجہ سے اور شور شرابے کی وجہ سے نہ نمازیں با جماعت پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات سے مستفیذ ہو سکتے تھے بلکہ اپنے پیارے امام کا چہرہ دیکھے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا تھا۔

اس کے بعد پھر یہ المناک واقعہ پیش آیا جب ہمارے 186احمدی جن میں بچے

بوڑھے، مرد اور عورتیں نیز بیمار لوگوں کو تھائی امیگریشن نے 14 دسمبر 2010ء کو گرفتار کیا اور ہمارے پاس I.D.C میں بند کر دیا۔ اس وقت ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ہمیں عورتوں اور بچوں کی یوں گرفتاری کے خیال سے بے حد دکھ ہو رہا تھا کیونکہ جماعتِ احمدیہ کے تمام افراد ایک ہی وجود کا حصہ ہیں۔ دل کرتا تھا کہ خوب روئیں۔ جماعتِ احمدیہ کی تاریخ میں یہ ایک نہایت افسوس ناک سانحہ تھا۔ دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ یہ سب ہوسکتا ہے۔ بہرحال ساری دنیا میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی، جبکہ کچھ لوگ یہ سب برداشت نہ کر سکے اور پاکستان واپس چلے گئے اور باقی ہمارے احمدی بھائی بیرک نمبر 4 میں قید تھے جہاں 19 دسمبر 2010ء کو ہمیں بھی ان کے ساتھ شفٹ کر دیا گیا۔ ہم نے اسیری کے دوران پہلی دفعہ جمعہ کا خطبہ بھی سنا اور نمازِ جمعہ ادا کی اور بعد ازاں رہائی تک تمام نمازیں باجماعت ہی ادا ہوتیں رہیں۔ الحمدللہ۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں اور جماعتِ احمدیہ کی انتھک کوششوں کے بعد دنیا بھر میں ہمارے حق میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور جو مایوسی اور نا اُمیدی چھائی ہوئی تھی وہ ختم ہونی شروع ہوئی اور لوگوں کے کیس پاس ہونے شروع ہوئے۔ نیز اس کے علاوہ جس پاکستانی کھانے کے لئے ہم لوگ عرصہ دراز سے ترس رہے تھے اس کا اندر ہم تک پہنچانے کے لئے اب جماعتی طور پر انتظام کیا گیا اور رہائی تک یہ سلسلہ چلتا رہا جس کے لئے ہم جماعت کے تمام خدمت گار حضرات کے مشکور بھی ہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اچھا وقت دکھایا اور لوگوں کے درمیان خوشی کی لہر دوڑنے لگی۔ ہم خود بہت خوش تھے کہ جس چیز کے لئے ہم ایک لمبے عرصے سے دعا کر رہے تھے وہ اللہ

تعالیٰ نے سن لی۔الحمدللہ۔

مگر ایک چیز کا افسوس تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ سب کے کیس پاس ہوجانے کے بعد ہماری اپیل کو دوبارہ مسترد (Reject) کر دیا گیا جس کی بالکل امید نہیں تھی۔مگر جب ہم اس خواب کے بارے میں سوچتے تھے جو میرے بھائی ہارون نے دیکھی تھی تو دل کو تسلی ہو جاتی تھی۔ اس خواب کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ہمارا کیس پہلی دفعہ مسترد (Reject) ہونے کے بعد جب ہم نے اپیل کی تو ان دنوں میں ہم بہت پریشان تھے۔نومبر 2010ء کے شروع میں ہارون نے روزانہ استخارہ کرنا شروع کیا تب تقریباً دسویں بارہویں دن ہارون کو نیم نیند کی حالت میں یہ آواز آئی کہ:

''سب قادیانیوں کے کیس پاس ہوں گے۔''

اس کے علاوہ ہارون نے ایک خواب دیکھا کہ ہارون اور میں لوگوں میں مٹھائی بانٹ رہے ہیں اور ہارون نے مجھ سے کہا کہ پہلے ہم بھی تھوڑی سی مٹھائی کھالیں پھر بانٹ دیں گے مگر میں نے کہا کہ ہم بعد میں کھالیں گے۔اس خواب کو بھی ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے پورے ہوتے دیکھا کہ جب سب لوگوں کے کیس پاس ہوگئے اور آخر میں ہمارا کیس دوبارہ Reject ہوگیا۔اسی طرح میں نے بھی خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ ہمارے بیرک نمبر 3 میں داخل ہوئے اور ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے ہیں اور یوں پیارے مسیح کا قرب نصیب ہوا۔

اب آخر میں ایک اور معجزہ لکھ کر میں اس کو ختم کرتا ہوں کہ I.D.C میں ہمارے تمام احمدی مرد و خواتین کے کیس پاس ہونے کے بعد ہمارا کیس دوبارہ Reject تو ہو ہی چکا تھا،

اب جماعتی طور پر ان تمام احباب کی ضمانت (Bail) کا انتظام قریب آیا تو ہمیں نہایت افسوس ناک یہ خبر ملی کہ ہماری bail نہیں ہو رہی صرف اس وجہ سے کہ ہم رفیوجی نہیں ہیں بلکہ اپیل Reject ہونے کے بعد ہماری تو UNHCR میں فائل ہی بند ہو چکی تھی۔ اس پر تمام احباب نے اور ہم نے بھی بہت رو رو کر دعائیں کیں اور حضور انور کو دعا کے لئے Fax کروائی گئی۔ جس دن ہم نے fax کروائی اسی دن یعنی 30 مئی 2011ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ خوشخبری ہم تک پہنچ گئی کہ ہماری بھی bail منظور ہو گئی ہے، اور یوں ہم لوگ 6 جون 2011ء کو 20 ماہ اور 24 دن بعد I.D.C سے ضمانت پر رہا ہو کر سب احباب کے ساتھ باہر آئے اور آزادی کا سانس لیا۔

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کبھی ہمارا کوئی دشمن بھی ایسے حالات نہ دیکھے۔ مگر ایک بات میں یقین سے کہتا ہوں کہ جماعتِ احمدیہ میں بڑی برکت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پیاری جماعت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس جماعت سے پوری وفا کریں۔ خلافت سے خوب محبت کا تعلق رکھیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس پاکیزہ جماعت میں شامل کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پیارے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز اور جماعتِ احمدیہ کو اپنے فضلوں سے نوازے۔ اور ہر آن ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ ہر آن ہمیں جماعت سے وابستہ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

یہ حالات جو میں نے ان احباب کی زبانی لکھے ہیں یہ اس اذیت ناک اور شدید پریشان کن مسائل کی تصویر کی صرف ایک چھوٹی سی جھلک پیش کرتے ہیں۔ ورنہ مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ قیدیوں کی اُس تلخی اور بے بسی کو الفاظ میں ڈھالا نہیں جا سکتا۔

میں وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو معصوم بچوں کو سلاخوں کے پیچھے کھڑا دیکھ کر ان کے والدین کی بے بسی کا اظہار کر سکیں۔ جو پولیس ہسپتال میں بچہ کی پیدائش کے فوراً بعد ڈاکٹر کے اس سوال کا جواب بن سکیں کہ جب بچے کی ماں سے پوچھا گیا کہ آپ ہتھکڑی ہاتھ پر لگوانا پسند کریں گی یا پاؤں پر۔ اور میں کس لُغت سے وہ الفاظ نکالوں اور کس بازار سے خریدوں جو حق ادا کر سکیں اس اذیت کا جو چند ماہ کے بیمار بچے کو ماں اور باپ دونوں سے چھین کر کسی گمنام جگہ پر علاج کے نام پر منتقل کر دیا گیا۔ اور جب ایک مریض عورت کو سانس کی تکلیف ہوئی تو اس کو ابتدائی علاج کے طور پر مدد دینے کے بہانے بیرک سے نکال کر ایک باتھ روم میں بند کر دیا گیا اور وہ ساری رات اسی حالت میں پڑی رہی۔ علاوہ ازیں کھانے کی کمی، صاف پانی کی کمی، ہوا اور روشنی کا فقدان، زمین پر بغیر بستر لیٹنا، زیادہ رش میں سانس کی گھٹن، بیرک میں شدید گرمی کا احساس اور جلدی بیماریوں کی فراوانی اور علاج کا شدید بحران، یہ سب وہ تلخ حقائق ہیں جو محسوس تو کئے جا سکتے ہیں مگر بیان نہیں ہو سکتے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان سب مسائل و پریشانیوں کے باوجود اللہ والے کبھی مایوس نہیں ہوتے اور ان کی قربانیاں بہت جلد نصرت اور کامیابی کا پیغام بن کر ان کی منزل کو ان کے قریب تر کر دیتی ہیں چنانچہ اس کے بعد آسمانی اٹل فیصلوں نے زمینی اصولوں کو کس طرح تبدیل ہونے پر مجبور کیا اس کی مختصر جھلک پیش آنے والے ان آئندہ حالات میں نظر آتی ہے۔

خلافت کے سائے میں
اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت کے ایمان افروز نظارے

اس سے قبل تو میں نے وہ واقعات لکھے جو ہمارے لئے پریشان کن اور مایوسیوں کے غلافوں میں لپٹے تھے جن میں گھر کر ایک پختہ دل انسان کانپ جاتا ہے اور جن سے متاثر آدمی اپنا ذہنی توازن بھی کھو دیتا ہے اور بظاہر زندگی سے موت بہتر لگنے لگتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کا ایک اپنا قادر و توانا مالک ہو جو ہر مشکل میں ان کی مدد کے لئے بے تاب ہو اور جن کے سروں پر خلافت کا مبارک سایہ ہو اور ایک پیار کرنے والا اللہ تعالیٰ کا سچا خلیفہ ان کے غم میں غمگین ہو کر دردانگیز دعائیں کرنے کے لئے موجود ہو اور جو لوگ ایک جماعت کی شکل میں اپنے خلیفہ سے محبت کرنے اور اس کے اشارے پر لبیک کہنے والے ہوں ان لوگوں کو اصل مقصد اور منزل سے مسائل کی آندھیاں اور دکھوں کے پہاڑ کبھی نہیں روک سکے اور ان لوگوں کا مقابلہ دنیا کی کوئی حکومت کوئی طاقت اور کوئی بادشاہت نہیں کر سکتی۔

کیا آنکھوں والے کبھی اندھوں جیسے ہو سکتے ہیں؟

کیا عقل والے جاہلوں جیسے ہو سکتے ہیں؟

اور کیا ایک وارث رکھنے والے لاوارثوں کی طرح ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

یہ حقیقت آج تھائی لینڈ میں موجود تمام احمدیوں نے اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر دیکھی اور محسوس کی۔ اس کے ثبوت کے طور پر میں اب چند ایسے واقعات کی طرف آتا ہوں

کہ ان مشکل ترین حالات میں احمدیوں کی مدد کے لئے تھائی لینڈ میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت کے نشانات دکھائے اور خلیفۃ المسیح کی دعاؤں اور کوششوں سے خراب حالات نے کب اور کیسے پلٹا کھایا۔ کس طرح یہاں کی حکومت کے پرانے قائم شدہ اصولوں کی برف پگھلی اور کیسے تھائی لینڈ کی بادشاہت کے شاندار اور اونچے محلات میں ہمارے حق میں ہل چل مچی۔

یہاں یہ بات بھی لکھنا ضروری ہے کہ اس طرح کی گرفتاریاں اور I.D.C کے سخت حالات و مسائل عرصۂ دراز سے جاری و ساری ایک سلسلہ تھا جس میں ہمارے لوگوں کی گرفتاری سے قبل کئی دوسرے ممالک کے لوگ دس دس سال سے قید تھے اور ان کا پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کئی لوگ اندر ہی فوت ہو گئے تھے اور یا پاگل ہو کر زندگی کی لذتوں سے ہی بے خبر ہو چکے تھے۔ ان میں سے چند ایک نے تو اب اس جیل کو ہی اپنی مستقل رہائش گاہ سمجھ لیا تھا۔

ان حالات کے دوران جب ہمارے لوگوں کو گرفتار کیا گیا تو یہاں کے حکومتی اداروں نے اسے بھی معمول کی کاروائی جانتے ہوئے ایک عام سا واقعہ سمجھا اور اس پر کوئی خاص زیادہ توجہ نہ دی۔ چنانچہ محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب نے اپنے پہلے دورۂ تھائی لینڈ کے موقع پر جب ان اداروں سے احبابِ جماعت کی رہائی کے بارے میں رابطہ کیا تو تقریباً ہر ادارے نے اسے ناممکن قرار دیا اور قانونی گنجائش نہ ہونے کی بنیاد پر اپنی معذرت پیش کی۔ یہ اس لئے بھی تھا کہ اس سے قبل دوسری اقوام کے گرفتار لوگوں کو رہا کروانے کی کوشش پر نہ صرف یہ ادارے ان ملکوں کے سفارت خانوں اور انٹرنیشنل این جی اوز سے بلکہ دنیا

کے سب سے طاقتورادارے U.N.O سے بھی اپنی معذرت پیش کر چکے تھے۔

اس سے یہ بات خوب روشن ہو جاتی ہے کہ یہ کام بے حد مشکل و بظاہر ناممکن کام تھااور تھائی لینڈ کا کوئی بھی سرکاری ادارہ اپنی ذمہ داری پر اس کام کی حامی نہیں بھرنا چاہتا تھا۔مگراس دفعہ تھائی لینڈ کے ان حکومتی اداروں کے مدِ مقابل دنیا کی کوئی حکومت یا ادارہ نہیں بلکہ ایک عظیم خدائی جماعت تھی جو الٰہی خلافت کے ایسے انعام سے سرشار تھی جس کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا ہاتھ جلوہ گر تھااور جس کے امام کو ہر میدان میں فتح ونصرت کی الٰہی نوید حاصل تھی۔ چنانچہ حضورِ انور کی خصوصی دعاؤں اور ارشادات کی روشنی میں ایک طرف ہمارے حق میں عالمی دباؤ روز بروز زور پکڑتا گیااور دوسری طرف اندرونی طور پر بھی یہاں کے حکومتی اداروں سے جماعتی نمائندگان کی مسلسل ملاقاتوں کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ میرے خیال میں ایک دفعہ پھر محمد بن قاسم کی تاریخ دہرانے کا وقت آن پہنچا تھا جس میں وہ چند مسلم عورتوں کو ہندوستان کی قید سے چھڑانے کے لئے آیا اور پورا ملک فتح کر کے یہاں اسلام کا جھنڈا اگا ڑ گیا۔ بالکل اسی طرح ہماری احمدی عورتوں، بچوں اور مرد احبابِ جماعت کو تھائی قید سے چھڑانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک نمائندہ اپنی خصوصی دعاؤں کے ساتھ لندن سے روانہ کیا جس نے اپنی اعلیٰ ذہانت، قابلیت اور دعاؤں کی طاقت سے تمام حالات کو یہاں بدل کرر کھ دیا۔ میری مراد مکرم ومحترم سرافتخار احمد ایاز صاحب آف UK ہیں۔

❁

محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب آف UK کی تھائی لینڈ آمد اور خوشگوار حالات کا آغاز

جنوری 2011ء کے پہلے ہفتہ میں حضورِانور کے خصوصی ارشاد پر محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب تھائی لینڈ پہنچے اور ہمارے تمام پریشان حال احمدی لوگوں کے مسائل سنے اور ان کے حل کی کوشش شروع کی جس کا کچھ ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے۔ بہرحال ان معاملات کو سلجھانے کے لئے محترم سر ایاز صاحب نے ہمارے مشنری انچارج محترم اُونگ کُرنیا صاحب مبلغ سلسلہ، مکرم جمعہ خان صاحب معلم جماعت اور مکرم حافظ عمران احمد صاحب جنرل سیکرٹری جماعتِ احمدیہ تھائی لینڈ کے ساتھ مل کر اس مبارک کام کا آغاز کیا۔ آپ نے ان گرفتار احبابِ جماعت کے لئے مقامی جماعت کو کھانا پہنچانے کا مناسب انتظام کرنے کی ہدایت دی جس کی تفصیل میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ علاوہ ازیں آپ نے UNHCR کے ادارے، چند مشہور این جی اوز اور تھائی امیگریشن کے افسران کے علاوہ حکومتی اہم اداروں کے اعلیٰ حکام سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان احبابِ جماعت کی رہائی کے بارے میں تفصیلی بات چیت کی۔ مگر شروع میں بظاہر اس رہائی کی کوئی امید نظر نہ آئی اور ہر ادارے نے یہی کہا کہ یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ چنانچہ کوئی ادارہ معذرت کرنے لگا اور کسی نے یہاں تک کہا کہ یہ آپ کا کبھی نہ پورا ہونے والا ایک خواب ہے۔

دوسری طرف ہمارے پیارے آقا کا وجود جو ہر احمدی کی پریشانی پر سخت بے چین ہو

جاتا ہے اور پوری جماعت کے لئے ایک محبت وشفقت کا ٹھنڈا سایہ ہے اور ہمارے لئے دعاؤں کا ایک قیمتی خزانہ بھی ہے۔ چنانچہ پیارے حضور نے ہماری اس صورت حال کو نہ صرف خصوصی دعاؤں میں جگہ دی بلکہ عالمی طور پر امریکہ، جرمنی اور یوکے کی جماعتی ٹیموں کے زیرِنگرانی باقاعدہ کوشش کا آغاز فرمایا۔ چنانچہ عالمی اداروں اور انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں سے رابطوں کے علاوہ UNHCR کے جنیوا ہیڈ آفس اور تھائی لینڈ میں موجود دفتر کو بھی حقائق سے خبردار کیا گیا۔ نیز https://www.persecutionofahmadis.org

ویب سائیٹ پر ایشین ہیومن رائیٹس کی طرف سے شائع ہونے والے سفارشی لیٹر (جس کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے) کو پوری دنیا کے بہت بڑی تعداد میں احمدی احباب متعلقہ ایڈریسز پر مسلسل بھجواتے رہے۔ چنانچہ اس ساری صورت حال کے آغاز میں ہی الحمدللہ کہ I.D.C کے اندر ہمارے تھائی لینڈ میں آئے ہوئے ایک احمدی دوست مکرم عادل ضیاء صاحب اور ان کے اہلِ خانہ کا کیس پاس ہو گیا جس کا سب سے زیادہ مثبت اثر I.D.C کے اندر لوگوں پر ہوا اور ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اسی دوران جماعتی دعاؤں اور عالمی کوششوں کی تھرتھراہٹ تھائی لینڈ کے شاہی محلات میں بھی محسوس ہونے لگی اور یہاں کی حکومت نے ہمارے مسئلے کو ایک عام مسئلہ کی بجائے خاص مسئلہ سمجھتے ہوئے توجہ دینی شروع کر دی۔ ایک عالمی دباؤ تھا جو روز بروز اس حکومت پر بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ تھائی لینڈ امیگریشن کے اعلیٰ حکام اب متحرک نظر آ رہے تھے مگر چونکہ ایک خدائی جماعت کے تعارف سے یہ لوگ بالکل بے خبر تھے اس لئے ان اداروں کے اعلیٰ افسرانِ نے اس دباؤ پر شروع میں کچھ منفی ردِعمل بھی دئے۔ ان میں سے صرف ایک امیگریشن افسر کی مثال

میں یہاں لکھنا چاہتا ہوں۔ ایک احمدی اسیر نے مجھے بتایا کہ ایک دن وہ کسی دوست کی ملاقات کے لئے بیرک سے باہر آیا تو راستے میں کھڑے ایک پولیس افسر نے اسے مخاطب ہوکر غصہ سے پوچھا کہ یہ احمدیہ آرگنائزیشن کیا ہے۔ میں نے کہا یہ ہماری جماعت کا نام ہے اس پر وہ کہنے لگا کہ آجکل اس آرگنائیزیشن کی طرف سے آپ کے حق میں ہم پر بہت دباؤ ڈالا جارہا ہے اور ساتھ ہی زمین پر زور سے پاؤں مار کر بولا کہ شائد آپ کی جماعت کو پتہ نہیں کہ یہ تھائی لینڈ ہے اور ہم کبھی کسی کے دباؤ کو قبول نہیں کرتے۔ وہ احمدی دوست کہتے ہیں کہ میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ گیا اور پھر اس کے تقریباً دو ماہ بعد جب ہماری ضمانت ہوئی تو وہی افسر دوسرے حکومتی افسران کے ساتھ ہمارے استقبال میں کھڑا تھا۔ مَیں نے اس کے پاس ٹھہر کر کہا کہ ہم شکرگزار ہیں تھائی حکومت کے اور امیگریشن کے ادارے کے بھی، مگر ہم خاص شکرگزار ہیں احمدیہ آرگنائزیشن کے۔ اس پر آج وہ خاموش تھا۔ مجھے یہ واقعہ سُن کر اپنا ایک شعر یاد آ گیا۔

وہی ہوا نا کہ جس کا میں نے کہا تھا تم سے کہ ایسا ہوگا
مگر نہ تم نے وہ بات مانی تو جانِ جاناں وہی ہوا نا

اس ساری صورتحال کے بعد ایک انقلابی تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی اور ایک طرف I.D.C کے اندر پے در پے ہمارے کیس پاس ہونا شروع ہو گئے اور دوسری طرف ان لوگوں کی رہائی کے لئے حکومتی ادارے ازخود مناسب قانونی راستے تلاش کرتے نظر آئے۔ اسی دوران امریکہ کی جماعت کی طرف سے ایک احمدی دوست مکرم مجیب احمد اعجاز صاحب اوران کی اہلیہ محترمہ صاحبہ تھائی لینڈ کے دورہ پر تشریف لائے۔ آپ نے بھی نہایت محنت

کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور تھائی لینڈ میں کام کرنے والی انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں سے ملاقاتیں کیں۔ نیز امریکہ، کینیڈا اور یو کے کے سفارت خانوں سے رابطہ کے علاوہ UNHCR کے اعلیٰ افسران سے بھی ملاقاتیں کیں۔ چنانچہ آپ نے صرف ایک ماہ کے دوران تھائی لینڈ کے تین دورے کئے اور اسی دوران ان کی ملاقات انسانی حقوق کی مقامی تنظیم ہیومن رائیٹس کمیشن آف تھائی لینڈ اور T.C.R سے ہوئی جس نے جماعتی تعاون کے ساتھ ہمارے لوگوں کی مقامی قانون کے مطابق رہائی کروانے کی مشروط ذمہ داری قبول کی۔ مشروط اس لحاظ سے کہ یہ کام چونکہ تھائی لینڈ میں پہلی دفعہ ہونے جا رہا تھا اس لئے قانونی راہ بنانے پر بے حد اخراجات کا امکان تھا۔ دوسری طرف ہماری جماعت ہر طور پر اپنے احمدی احباب کی رہائی کی نہ صرف خواہش مند تھی بلکہ اس کام کے لئے ہر طرح کی جائز شرائط ماننے کو بھی تیار تھی۔ چنانچہ مکرم اکرام اللہ صاحب، انچارج سابقہ رفیوجی کمیٹی جماعت احمدیہ تھائی لینڈ ان تاریخی واقعات کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

''مئی 2011ء شروع ہو چکا تھا، اور I.D.C کے اندر صرف دو احمدی لڑکوں کے کیس کے علاوہ باقی سب کے کیس پاس ہو چکے تھے۔ امریکہ کی جماعت نے ہمارے حق میں کوشش شروع کی اور اپنے ایک نمائندے کے طور پر مکرم مجیب اعجاز صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ کو تھائی لینڈ بھیجا۔ آپ نے نہایت ذہانت اور قابلیت کے ساتھ کام کا آغاز کرتے ہوئے تھائی امیگریشن کے اعلیٰ حکام، UNHCR تھائی لینڈ، امریکن ہوم ڈپاٹمنٹ آف تھائی لینڈ، J.R.S نامی این جی او، ہیومن رائیٹس آف تھائی لینڈ، Asylum Access اور T.C.R کے نام سے منسوب مقامی این جی او کے چیف ایگزیکٹو جناب Mr.Veeravit سے

بہت اہم ملاقاتیں کیں جن میں سب سے اہم مسئلہ احمدی احباب ِ جماعت کی ضمانت (Bail) کا رکھا گیا۔ شروع میں یہ کام اس قدر ناممکن لگا کہ دورانِ میٹنگ چند اداروں نے اسے ہمارا ایک نامکمل خواب کہا اور کچھ نے صاف معذرت کر لی۔ یہاں تک کہ UNHCR کے ادارہ نے یہ کہہ دیا کہ اپنی مدد آپ کے طور پر اگر اپنے لوگوں کی آپ Bail کروا لیں تو ہمارے ادارے کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ البتہ اس ادارے نے ہمارے احمدی احباب کے Process Asylum میں نہایت تیزی لا کر ہماری بے حد مدد کی جس کے لئے ہم سب UNHCR تھائی لینڈ ادارے کے بہت مشکور ہیں۔

اسی دوران مقامی تنظیم T.C.R نے اس سلسلہ میں ہماری عالمگیر جماعت اور ہیومن رائیٹس کمیشن آف تھائی لینڈ کی مدد کی شرط پر اپنی بھرپور خدمات پیش کرنے کی حامی بھری اور احبابِ جماعت کی رہائی کے لئے معقول قانونی رستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جماعت احمدیہ امریکہ کی طرف سے ان تھک کوشش اور مذکورہ اداروں سے روابط کے ذریعے ان احمدی احباب کی رہائی کے بارے میں کئی دوسرے معاملات بھی طے کئے گئے جن کے بعد کامیابی کی امید کچھ زیادہ نظر آنی شروع ہوئی نیز یہ بھی طے پایا کہ 30 مئی 2011ء کو ہیومن رائیٹس کمیشن آف تھائی لینڈ کے ساتھ T.C.R اور جماعت کی ایک اہم میٹنگ ہوگی جس میں Bail کے متعلق تمام اہم معاملات زیرِ غور لائے جائیں گئے اور Bail ہونے کی صورت میں فی کس 50,000 باتھ (پچاس ہزار تھائی باتھ) قابلِ واپسی رقم (تھائی لینڈ چھوڑنے کے تین ماہ بعد رقم کی واپسی ہوگی) طے پائی جو کہ 96 اسیر احباب جماعت کی ٹوٹل رقم کافی زیادہ بنتی تھی۔ اسی طرح رہائی کے بعد تمام احبابِ جماعت کی رہائش، ان کی

پولیس کی طرف سے سیفٹی اور دورانِ ضمانت (Bail) ان کے I.D.C میں پیش ہو کر حاضری لگوانے کے اہم امور زیرِ غور رہے، اور ساتھ ساتھ حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی خدمت میں یہ سارے حالات و واقعات پیش کر کے آئندہ کے لئے رہنمائی اور حضور کی خصوصی دعاؤں کے حصول کی درخواست کرتے رہے۔

اس دوران ہمیں ضمانت (Bail) کی رقم کا بندوبست کرنے کے علاوہ کئی اور معاملات بھی حل کرنے تھے۔ چنانچہ I.D.C کے اندر احباب کے بیرونِ ممالک رشتہ داروں سے رابطے کئے گئے اور ان سے مذکورہ رقم کے نقد یا وعدے لئے گئے اور باقی رہ جانے والی کمی کی تفصیل کے ساتھ یہ معاملہ بھی حضورِ انور کی خدمت میں اس غرض سے رکھا گیا کہ مذکورہ کمی پوری کرنے کے لئے کہیں سے قرض لینے کی ہمیں اجازت دی جائے۔ کوششوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران کئی دفعہ کئی مشکلات سامنے آئیں مثلاً امیگریشن حکام کی طرف سے تعاون میں کمی اور T.C.R کی طرف سے رہائی کے بعد احبابِ جماعت کے لئے مہیا کی گئی رہائش کے ماہواری اخراجات کے مسائل سرِفہرست تھے۔

29 مئی کو ان معاملات پر بات چیت کے دوران ہمارے ایک ممبر کی مذکورہ این جی او سے اس معاملہ میں کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی، جبکہ 30 مئی 2011ء کی صبح ناشتہ کے وقت تک حالات بے حد خراب دکھائی دے رہے تھے اور ہماری باتیں بلا وجہ مسترد (Reject) کی جا رہی تھیں۔ 9:30 بجے ہماری ایک میٹنگ Asylum Access والوں سے ہوئی۔ اس کے بعد پیارے حضورِ انور اور عالمی جماعت احمدیہ کی خصوصی دعاؤں کے نتیجے میں جب یہ میٹنگ شروع ہوئی تو ان تمام افسران کا رویہ اچانک ہمارے ساتھ بالکل بدلا ہوا دکھائی

دیا اور حیران کُن حدتک انہوں نے ہماری ہر ایک بات ماننی شروع کردی اور یوں سارے معاملات نہایت احسن رنگ میں طے پاگئے۔ اور یہ بھی طے پایا کہ ضمانت (Bail) کی تاریخ 6 جون 2011ء ہوگی۔ مقامی و انٹرنیشنل میڈیا کو کوریج کی اجازت ہوگی۔ رہائشی کمروں کا بندوبست ہماری رضامندی سے ہوگا اور ہمارے دو خادم جن کا کیس ابھی تک پاس نہیں ہوا تھا اور جو 21 ماہ سے یہاں قید تھے کی رہائی بھی تمام احبابِ جماعت کے ساتھ ہوگی۔ یوں ان کی کُل تعداد اب 96 بنتی تھی۔

یہ واقعہ تھائی لینڈ کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہونے جا رہا تھا جس سے نہ صرف ہمارے احمدی احباب کے ذاتی فائدہ کا تعلق تھا بلکہ آج خلافت کی برکت اور جماعتِ احمدیہ کی دعاؤں سے ان تمام لوگوں کے لئے بھی ایک دروازہ کھولا جا رہا تھا جو مختلف ممالک، مذاہب اور کئی اقوام سے تعلق رکھتے تھے اور سالہا سال سے I.D.C میں قید تھے۔ نیز جماعت احمدیہ تھائی لینڈ کی مستقبل میں ترقی اور فتح کی ایک نئی اینٹ کے ذریعہ بنیا در کھی جا رہی تھی۔

یہ واقعہ تھائی لینڈ میں جماعت کے بہترین تعارف کے طور پر بھی سامنے آیا اور اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے کئی نئے راستے کھولے۔ دنیا بھر کے الیکٹرانکس میڈیا نے اس واقعہ کی براہ راست (Live) کوریج کی اور اخبارات میں یکم جون سے لے کر کئی دن تک اس کا چرچا ہوتا رہا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ 6 جون 2011ء کا مبارک اور تاریخی دن آن پہنچا۔ حضورِ انور کی طرف سے خصوصی جماعتی نمائندہ کے طور پر ایک دفعہ پھر محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب صحت کی کمزوری کے باوجود تھائی لینڈ پہنچ گئے۔ چنانچہ صبح 7:00 بجے کے قریب

مندرجہ ذیل احبابِ جماعت پر مشتمل وفد I.D.C میں پہنچ گیا:

1۔محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب
خصوصی نمائندہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز

2۔محترم حافظ عمران احمد صاحب
قائم مقام نیشنل صدر و جنرل سیکرٹری جماعتِ احمدیہ تھائی لینڈ

3۔مکرم جمعہ خان صاحب معلم جماعت تھائی لینڈ

4۔ ڈاکٹر ثریا صاحبہ نیشنل صدر صاحبہ لجنہ تھائی لینڈ

5۔اور خاکسار

جبکہ محترم جناب اُونگ کُرنیا صاحب نیشنل صدر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ تھائی لینڈ چونکہ چھٹی پر انڈونیشیا گئے ہوئے تھے اس لئے وہ شامل نہ ہو سکے۔

ان کے علاوہ رہائی پانے والے احباب کو ان کی رہائش تک لے جانے کے لئے دو بسوں کا انتظام کیا گیا تھا جس کے لئے مکرم خالد محمود بٹر صاحب اور مکرم فیضان احمد صاحب کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔تمام احبابِ جماعت کو جماعتی وقار ہر لحاظ سے بلند رکھنے کے لئے ہر قسم کی ضروری ہدایات دی گئیں تھیں۔سب سے قبل I.D.C کے اندر میٹنگ روم میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں T.C.R اور ہیومن رائیٹس کمیشن آف تھائی لینڈ کے نمائندگان، تھائی امیگریشن کی جنرل کمانڈ، تھائی لینڈ حکومت کے چند اہم اداروں کے افسران اور انٹرنیشنل میڈیا کے نمائندے شامل تھے۔ اس میٹنگ میں مکرم ڈاکٹر صاحب نے عالمگیر جماعت احمدیہ کی طرف سے ان تمام اداروں کا شکریہ ادا کیا نیز امیگریشن آف تھائی

لینڈ نے ان احباب کی ضمانت (Bail) کی قانونی حیثیت اور جاری ہونے والے Bail سرٹیفکیٹس سے میڈیا کو تعارف کروایا۔ اس کے بعد ہمارے جماعتی وفد کی رہائی پانے والے احباب سے ملاقات کروائی گئی جہاں ان سب کو مبارکباد پیش کرنے کے علاوہ چند ضروری ہدایات بھی دی گئیں۔ یہ نہایت رقت آمیز مناظر تھے۔

بہرحال تقریباً 10:30 بجے ہمارے لوگ باہر آنا شروع ہو گئے۔ حکومتی اداروں کی طرف سے ایک باعزت طریقۂ کار کے تحت یہ مرحلہ جاری رہا یہاں تک کہ ہمارے تمام احمدی باہر تشریف لے آئے۔ یہ ایک ناقابلِ یقین خوشی کا موقعہ تھا۔ آج ہر ادارہ اس کام کا سہرا اپنے سر پر رکھنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف رہائی پانے والے بچے عورتیں اور مرد حضرات بے انتہا خوش نظر آرہے تھے۔ اکثر کی آنکھوں میں آنسو تھے کیونکہ زندہ خدا کی طرف سے ایک زندہ نشان ظاہر ہو رہا تھا۔ آج I.D.C کے اندر اور باہر جماعتِ احمدیہ کا نام بولا جا رہا تھا۔ کئی پرانے قیدی حسرت سے یہ سارا واقعہ دیکھ رہے تھے اور کئی اپنے احمدی نہ ہونے پر پچھتا رہے تھے۔ اکثر نے اس موقعہ پر یہ اظہار کیا کہ یہ لوگ احمدی مسلم ہونے کے ناطے نہایت خوش قسمت لوگ ہیں۔ خلافت کی برکات اور قبولیتِ دعا کے نظارے ہر طرف نظر آرہے تھے۔ اس تاریخی موقعہ انٹرنیشنل میڈیا نے محترم سر ایاز صاحب کے انٹرویو بھی لئے اور اعزازی تصاویر بھی بنوائیں۔ چنانچہ تمام مراحل کے اختتام پر اجتماعی دعا کے ساتھ دو بسوں کے ذریعہ یہ قافلہ اپنی مذکورہ رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوا جہاں جماعت کی طرف سے ان احباب کے لئے دو وقت کے کھانے کے علاوہ ہر ایک فیملی کے لئے ایک گیس سلنڈر اور بچوں کے لئے بسکٹ وغیرہ کا انتظام اور رہائش گاہ کے اندر گراؤنڈ فلور پر ایک

کمرہ بطور مسجد کے اور ایک بطور گیسٹ روم کے لیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں MTA دیکھنے کے لئے ایک ڈش انٹینا بھی اس بلڈنگ میں موجود تھا۔

نمازِ مغرب وعشاء کے بعد محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب کے زیرِ صدارت ایک اجلاسِ عام ہوا جس میں تعارفی موضوع کے بعد محترم سر ایاز صاحب نے چند اہم نصائح فرمائیں اور دعا کے ساتھ یہ اجلاس ختم ہوا۔ اس تاریخی دورہ کے دوران محترم سر ایاز صاحب نے امریکہ، ہالینڈ اور پاکستانی سفارت خانوں اور چند این جی اوز کے علاوہ UNHCR کے اعلیٰ حکام سے کامیاب ملاقاتیں بھی کیں اور ان تمام اداروں کو پاکستانی احمدی احباب کی مشکلات سے بخوبی آگاہ کیا۔

یہاں میں اس بات کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ احمدیت کا پودا تو 1950ء میں تھائی لینڈ میں لگ چکا تھا اور اب تو تقریباً ایک سو کے قریب تھائی احمدی لوگ اس درخت کی سرسبز شاخیں بن چکے ہیں۔ جبکہ پاکستان سے یہاں Asylum کرنے کے لئے احمدیوں کے آنے کا سلسلہ 2008ء سے جاری ہے جن کی کُل تعداد دسمبر 2010ء تک تقریباً 350 کے قریب تھی اور یہ سب جماعتی تجنید میں شامل تھے۔ ان سب حالات کے باوجود یہاں کی جماعت کی رجسٹریشن کا حکومتی مرحلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا تھا اور عرصۂ دراز سے یہاں کی مقامی جماعت اس کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ معاملہ زیرِ کارروائی تھا۔ اسی دوران پاکستانی احمدیوں کی گرفتاری والا مندرجہ بالا واقعہ رونما ہو گیا جس کے بعد تھائی لینڈ میں جماعت احمدیہ کا نام کافی شہرت پاتا گیا اور انہیں معاملات کے دوران حضورِ انور کی دعاؤں اور پوری دنیا سے جماعت احمدیہ عالمگیر کے حق میں ملنے والی مثبت معلومات کی روشنی میں الحمدللہ

19 اگست 2011ء کو جماعت احمدیہ تھائی لینڈ کو حکومتی بنیاد پر ایک رجسٹرڈ جماعت کے طور پر قبول کرلیا گیا۔ مبارک صد مبارک۔ اب جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں باقاعدہ رجسٹرڈ ہے اور ترقی کی طرف گامزن ہے۔

پاکستانی رفیوجی احباب کے لئے نظامِ جماعت کا باقاعدہ قیام

6 جون 2011ء کے بعد I.D.C سے Bail کروانے والے احمدیوں کو ملا کر پاکستانی احمدیوں کی کُل تعداد تقریباً 350 بنتی تھی جن میں سے زیادہ تر لوگ بنکاک کے تین بڑے حصوں میں آباد تھے۔ ان میں سے 60 سے 70 لوگ بنکاک کے مرکزی حصّے یعنی سوتھی سان Suthisan میں، 70 سے 75 افراد Charan Sanit Wong میں اور باقی تمام Bail کروانے والے احباب سمیت احمدیوں کی ایک بڑی تعداد Bang Khae میں آباد تھی جہاں جماعت کی طرف سے مکرم ابنِ محی الدین صاحب بطور مبلغ مقرر ہیں۔

اس سے قبل تھائی لینڈ میں جماعت احمدیہ کی رجسٹریشن نہ ہونے اور یہاں کے قانونی مسائل کی وجہ سے یہاں پر صرف مقامی احمدیوں پر مشتمل جماعتی عاملہ کام کر رہی تھی جبکہ پاکستانی احمدیوں کے معاملات حل کرنے کے لئے ایک اصلاحی کمیٹی بنائی گئی تھی جو محدود پیمانے پر اندرونی و بیرونی معاملات حل کرنے میں کوشاں رہی یہاں تک کہ جماعت کی حکومتی سطح پر رجسٹریشن ہوگئی اور بفضلہٖ تعالیٰ یہاں کے حالات بہت تیزی سے جماعت کے حق میں ہوتے گئے۔

ان سب حالات کے بعد ایک دفعہ پھر محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب 3 دسمبر 2011ء کو تھائی لینڈ کے دورہ پر آئے اور آپ نے مذکورہ تین جگہوں پر جماعتی قواعد کے مطابق عاملہ کا انتخاب کروایا اور یوں پاکستانی احمدیوں پر مشتمل تین مجالس میں مندرجہ ذیل احباب کو ذمہ داریاں سونپ دی گئیں جنہوں نے یہاں کی نیشنل عاملہ کے زیرِ نگرانی خدمت کرنا تھی۔

Bang Khae میں صدر جماعت مکرم وحید احمد صاحب، جنرل سیکرٹری مکرم رانا قمر مبارک صاحب اور سیکرٹری تربیت مکرم اظہر احمد خالد صاحب کو منتخب کیا گیا۔

مجلس Suthisan میں صدر جماعت مکرم اکرام اللہ صاحب جنرل سیکرٹری مکرم ملک نعیم احمد مجوکہ صاحب اور سیکرٹری تعلیم و تربیت خاکسار مدثر احمد کو منتخب کیا گیا۔

مجلس Charan میں صدر جماعت مکرم سعادت احمد صاحب جنرل سیکرٹری مکرم فرحان شوکت صاحب اور سیکرٹری تربیت مکرم مظفر احمد صاحب کو منتخب کیا گیا۔

یوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت احسن رنگ میں ایک با قاعدہ جماعتی نظام قائم کر دیا گیا جبکہ نیشنل سطح پر پہلے ہی یہاں کی نیشنل عاملہ جماعتی خدمت میں سرگرم عمل ہے۔

ابھی حالات تھوڑے سنبھلے ہی تھے کہ اسی دوران ستمبر 2011ء میں تھائی لینڈ میں گزشتہ پچاس سالہ تاریخ کا بدترین سیلاب ایک نئی آفت کے رُوپ میں امڈ آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سیلاب نے بنکاک کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کئی علاقوں میں پانی کی شدّت اتنی زیادہ تھی کہ اس میں کئی آبادیاں تباہ ہوگئیں۔ پانی کی سطح اکثر علاقوں میں چار سے چھ فٹ تک پہنچ گئی جبکہ نشیبی علاقوں میں یہ سطح کئی گنا زیادہ تھی اور پانی پوری تیز رفتاری سے مرکزی بنکاک کی طرف بڑھنے لگا۔ حکومت پوری جانفشانی اور بھرپور محنت کے ساتھ اپنے

شہریوں کومحفوظ مقامات پر پہنچانے میں مصروف تھی۔ یہاں کے تمام TV چینل سیلابی ریلے کی برائے راست (Live) کوریج کر کے شہریوں کو تازہ حالات اور وارننگ کے اعلانات نشر کر رہے تھے۔ٹرانسپورٹ ،ٹرینیں، اور ائیر پورٹس سمیت کئی راستے بند ہو گئے تھے اور اکثر مارکیٹوں میں اشیاء خورونوش کی شدید کمی تھی۔ خاص کر پینے کا پانی بالکل نایاب ہو رہا تھا۔سرکاری طور پر 500 سے زائد افراد کے ڈوبنے کی اطلاعات تھیں۔

ہمارا مشن ہاؤس تو پہلے ہی تقریباً 5 فٹ پانی میں ڈوب چکا تھا۔ ہر روز ایک نئے علاقے میں سیلابی ریلا داخل ہوتا اور یوں اس سے اگلے علاقے کو خالی کروالیا جاتا۔ یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ ایک دن یہاں کے TV چینل پر یہ اعلان ہوا کہ سیلابی ریلا آئندہ تین دنوں میں Suthisan، Charan اور Bang Khae کے علاقوں میں داخل ہو جائے گا جس کی زیادہ شدّت Charan اور Bang Khae کی طرف ہوگی۔ چنانچہ ان مجالس کے احمدی احباب میں سے Bang Khae میں آباد ضمانت (Bail) کروانے والے لوگوں کا زیادہ متاثر ہونے کا خدشہ تھا جہاں ایک عمارت میں 18 اور دوسری میں تقریباً 12 خاندان رہائش پذیر تھے اوران کو اپنی عمارتیں چھوڑنے کی اجازت Bail کروانے والے ادارے کی طرف سے نہیں ملی تھی۔اس لئے ان تمام احباب کو سیلابی ریلے کی تمام شدّت وہیں رہ کر برداشت کرنا تھی۔ تاہم ہماری مجلس اور Charan کے چند احباب پانی کی سطح دیکھ کر کسی محفوظ جگہ پر شفٹ ہونے کیلئے تیار تھے۔اس سرکاری وارننگ کے دوسرے یا تیسرے دن Charan اور Bang Khae میں پانی داخل ہونا شروع ہو گیا جس کی سطح مسلسل بلند ہو رہی تھی یہاں تک کہ ہمارے Bail کروانے احباب جماعت کی عمارتوں کے اردگرد پانی

کی سطح دو سے تین فٹ تک پہنچ گئی۔ تمام لوگ پریشان تھے۔ اشیاء خورونوش کی شدید کمی تھی۔ اردگرد کے مقامی لوگ گلیوں میں کشتیوں کے ذریعے آجا رہے تھے۔ تمام احمدی احباب دعا اور صبر سے اس آفت کا بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے۔

یہاں میں جماعتِ احمدیہ کی صداقت کا ایک معجزہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں جو اُس وقت میرے علم میں آیا جب میں ایک دن وہاں کے مبلغ جناب ابنِ محی الدّین صاحب کے پاس چند احباب کے ہمراہ اُس مسجد میں بیٹھا تھا جو اس عمارت کے گراؤنڈ فلور پر ایک کمرہ کرایہ پر حاصل کر کے بنائی گئی تھی اور اس کے ساتھ والے کمرے میں مبلغ صاحب رہائش پذیر ہیں۔

وہاں کے احباب بتاتے ہیں کہ سیلابی پانی کی سطح ہر منٹ بعد بلند ہو رہی تھی اور پانی مسلسل اردگرد کے گھروں میں داخل ہو رہا تھا یہاں تک وہ پانی ہماری عمارت کے مرکزی گیٹ تک پہنچ گیا اور صرف چھ انچ پانی کی سطح مزید بلند ہو جانے پر گراؤنڈ فلور میں پانی داخل ہو سکتا تھا جہاں ہماری مسجد بھی تھی۔ اس موقع پر محترم جناب ابن محی الدین صاحب ہمارے ساتھ پانی کی سطح دیکھنے باہر تشریف لائے اور مرکزی گیٹ کے پاس پانی سے تقریباً ایک انچ اوپر ایک لائن کھینچ کر سیلابی پانی سے یوں مخاطب ہوئے کہ:

''اے سیلاب! مجھے اللہ تعالیٰ کے ایک سچے خلیفہ نے یہاں بٹھایا ہے اور میں اُس جماعت احمدیہ کی خدمت پر یہاں مامور ہوں جس کے امام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے، پس تو بھی اب سن لے کہ اس لائن سے اوپر چڑھنے کی تجھے ہرگز اجازت نہیں ہے

اور اگر تُو نے اس لائن سے اپنی سطح بلند کی تو تجھے پتہ ہے کہ ہماری مسجد نمازیوں کیلئے بند ہو سکتی ہے جو کبھی نہیں ہو گی جبکہ میں نے اپنا کمرہ بھی خالی نہیں کرنا کیونکہ مجھے جماعتی طور پر یہی کمرہ دیا گیا ہے۔''

اس گفتگو کے بعد وہ تمام احمدی احباب اس بات کے گواہ ہیں کہ پانی اس سطح سے بلند نہیں ہوا اور آہستہ آہستہ اس کی سطح گرنی شروع ہوئی اور چند دنوں میں مکمل طور پانی ختم ہو گیا ہے۔ بعدازاں یہاں پر دو تین دفعہ اجتماعی وقارِعمل کے ذریعے صفائی کا بھی انتظام کیا گیا جسے مقامی لوگوں نے کافی پسند کیا۔

دوسری طرف Charan اور Suthisan میں پانی کی سطح نشیبی علاقوں میں کافی زیادہ رہی مگر عمومی لحاظ سے یہ سطح کم ہی رہی۔ اگرچہ چند احمدی احباب کو چند دن کے لئے شفٹ بھی ہونا پڑا مگر ہفتہ دس دن کے بعد پانی آگے گزر گیا اور حالات دوبارہ معمول پر آنا شروع ہو گئے۔ اس سیلاب سے تھائی لینڈ کی حکومت کو شدید نقصان کا سامنا رہا۔ تاہم حکومت نے اور یہاں کی عوام نے اس مشکل گھڑی کو بے حد حوصلے اور بہادری سے برداشت کیا اور ایک دوسرے سے بھرپور تعاون بھی کرتے رہے۔

ان سب حالات کے دوران ہمارے تمام احمدی احباب کے UNHCR سے متعلق Process بھی جاری وساری رہے اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی Process کے تحت ہماری 14 سے 15 فیملیز جن میں ایک فیملی فِن لینڈ، ایک کینیڈا اور باقی خاندان امریکہ پہنچ چکے ہیں اور باقی اکثر احمدی خاندانوں کا Process بھی اب 80 سے 95 فیصد تک مکمل ہو چکا ہے۔

یہاں کے حالات اب مکمل طور پر بدل چکے ہیں آج ہمارا یہاں کا ہر رفیوجی پاکستانی احمدی اگر پیچھے مُڑ کر ان حالات پر نظر ڈالے تو اسے صرف اور صرف ایک ہی چیز نظر آتی ہے یعنی ''ایک زندہ خدا''

خاک آلودہ پراگندہ زبوں حالوں کو کھینچ کر قدموں سے زانوں پر بٹھانے والے

کہاں وہ ناامیدی خوف اور مایوسیوں سے بھری ہوئی کالی رات کے کالے سائے، ہر ذہن پریشان ہر دل میں ایک گمنام پچھتاوا، ہر نظر میں ایک بے نام سی اداسی۔ اگر امیگریشن کی پکڑ سے بچ بھی گئے تو پولیس کے ڈر سے اپنے کمروں کے اندر سہمے ہوئے۔ بچوں کے ہنسنے پر ان کے منہ پر ہاتھ دبا لینا کہ آواز باہر نہ جائے۔ کھڑکی کے باہر سڑک پر بھی اگر کوئی پولیس کی گاڑی نظر آئے تو اپنے کمروں کے دروازے بند کر لینا، بچوں کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا یہاں تک کہ کھانسنے اور چھینک لینے سے پرہیز کرنا اور کمروں کی بتیاں بجھا دینا، کبھی اپنے کمروں میں بند اور کبھی امیگریشن کی بنائی ہوئی جیل میں قید اپنے بچوں اور عورتوں کی بے بسی، یہاں تک کہ قید کے دوران ایک سوکھی روٹی کو بھی ترسنا، روشنی اور تازہ ہوا سے محروم و مجبور یہ لوگ اب اسی ملک میں اپنے آپ کو خوش قسمت ترین لوگ جانتے ہیں۔

یہ ہے وہ حیرت انگیز تبدیلی جو کبھی اللہ کی مدد کے بغیر نہیں آسکتی اور یہی وہ حالت ہے جسے خلافت کی برکت سے خوف سے امن کی حالت میں تبدیل کرنے کا خدائی وعدہ کہتے ہیں۔ اور اب ان سب کو اپنے آپ کے خوش قسمت ترین لوگ کہنے کا حق بھی ہے کیونکہ ان سب کو ایک زندہ خدا ایک خدائی جماعت اور ایک عظیم الٰہی خلافت کی برکات کو اپنی آنکھوں

سے دیکھنے کی توفیق ملی۔ اب انہیں یہ سارے تلخ حالات ومسائل ایک ڈراؤنے خواب کی طرح لگتے ہیں۔ اب بُرا وقت گزر چکا، اب تمام تاریکی ایک سہانی صبح میں بدل چکی ہے۔ آئے دن جب ہم میں سے کوئی اپنے اگلے ملک کو روانہ ہوتا ہے تو خوشی سے دعوتیں ہوتی ہیں طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں، جانے والے کو ائیر پورٹ تک ایک بڑے قافلے کی صورت پہنچایا جاتا ہے اور دعا کے ساتھ الوداع کیا جاتا ہے۔

اب تو پچھلے تین چار ماہ کے دوران الحمد للہ ہماری تقریباً 13/14 فیملیاں امریکہ جا چکی ہیں اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں فیملیوں کے ہالینڈ، فن لینڈ اور امریکہ کے ٹکٹ آ چکے ہیں جنہوں نے اپریل کے آخر میں یہاں سے چلے جانا ہے۔ خاکسار کی فیملی بھی 26 اپریل کو فن لینڈ جانے کے لئے تیار ہے جبکہ باقی اکثر فیملیز کا پروسیس بھی اب آخری مرحلہ میں ہے اور ہر ایک کو اپنی اپنی منزل اپنے سامنے نظر آ رہی ہے۔ آج حضورِ انور کی دعاؤں اور جماعت کی کوششوں سے یہ حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو چکی ہے کہ یہاں کے مایوس لوگ جو تھائی لینڈ آنے پر اپنے آپ کو بدقسمت ترین سمجھ رہے تھے وہ آج اپنے آپ کو پاکستان کے خوش قسمت ترین لوگ گردانتے ہیں کیونکہ انہوں نے مایوسیوں اور شدید پریشانیوں کی اس سیاہ دھند میں اپنے سچے خدا کو دیکھ لیا، خلافت کی برکت اور الٰہی نصرت کے عظیم نظاروں کے عینی گواہ بن گئے اور اس الٰہی وعدہ کو کہ:

> ’’اللہ تعالیٰ خلیفۃ اللہ کے ذریعے جماعت کی ہر خوف کی حالت کو امن کی حالت میں بدل دے گا‘‘

اپنے حق میں سو فیصد پورا ہوتے دیکھ لیا۔ آج یہاں جماعتی پروگرام بھی جاری ہیں

جن میں یہاں کی پہلی علمی و ورزشی ریلی جنوری 2012ء میں کامیابی کے ساتھ منعقد ہو چکی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ دسواں جلسہ سالانہ تھائی لینڈ 31 مارچ 2012ء کو پوری کامیابی کے ساتھ منعقد ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہو اور خلافت کے سائے میں جماعت احمدیہ جو اصل اسلام ہے دنیا کے کناروں تک جلد از جلد غالب ہو اللہ تعالیٰ یہاں کے تمام پاکستانی احمدی رفیوجی احباب کو جو یہاں سے مختلف ممالک میں ایک بیج کی صورت میں پھیل رہے ہیں جلد از جلد بہت عظیم سرسبز فصلوں کے روپ میں بدلنے کے سامان پیدا کرے اور ہمیشہ جماعت کی خدمت اور خلافت سے محبت کی توفیق دیتا چلا جائے، اس طرح اللہ تعالیٰ تھائی لینڈ کی مقامی جماعت کو بھی بے انتہا ترقیات سے نوازے اور یہاں کے نیک فطرت لوگ جلد از جلد اسلام کی آغوش میں آئیں۔ آمین ثم آمین۔

اظہارِ تشکر

آخر میں مَیں ان مشکل ترین حالات میں ہماری مدد کرنے والے چند اداروں اور احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی ظاہری مدد اور کوشش و دُعا سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان حالات کو تبدیل کیا۔ہم سے میری مراد وہ تمام پاکستانی احمدی احباب ہیں جو اس وقت تھائی لینڈ میں موجود ہیں۔

سب سے پہلے ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز کے ہم سب مشکور ہیں جنہوں نے اپنی بے پناہ عالمی مصروفیات کے باوجود ہمیں اپنی خصوصی دُعاؤں میں یاد رکھا اور ہمارے حق میں جماعتی رنگ میں عالمی طور پر آواز بلند کی اور نہایت پُرحکمت طریقہ سے اس مسئلہ کے حل کی کامیاب کوشش کی۔

اس کے بعد مکرم ومحترم جناب سر افتخار احمد ایاز صاحب جو اپنی مصروفیات اور صحت کی کمزوری کے باوجود ایک لمبا سفر کر کے بار بار تھائی لینڈ آئے اور ہمارے حق میں انتھک محنت کی۔اسی طرح مکرم ومحترم جناب مجیب اعجاز صاحب اور اہلیہ مجیب اعجاز صاحبہ کے بھی ہم سب بے حد مشکور ہیں جو امریکہ سے ایک لمبا سفر کر کے تھائی لینڈ آئے اور ہمارے حق میں بہت محنت کی۔

اس کے علاوہ مکرم ومحترم جناب حسن بصری صاحب مبلغ وامیر جماعت احمدیہ سنگاپور، مکرم ومحترم جناب اُونگ کُرنیا صاحب مبلغ سلسلہ ومشنری انچارج جماعت احمدیہ تھائی لینڈ،

مکرم و محترم جمعہ خان صاحب معلم سلسلہ تھائی لینڈ ،مکرم حافظ عمران احمد صاحب جنرل سیکرٹری جماعتِ احمدیہ تھائی لینڈ ،محترمہ ڈاکٹر ثریا صاحبہ صدر لجنہ تھائی لینڈ ،مکرم ابن محی الدّین صاحب مبلغ بان کھے تھائی لینڈ اور رفیوجی کمیٹی برائے احمدی احباب تھائی لینڈ کے بھی بے حد شکر گزار ہیں۔

اس کے بعد چند اہم اداروں کے بھی ہم سب بہت مشکور ہیں جن میں UNHCR ہیڈ آفس جنیوا، UNHCR آف تھائی لینڈ جنہوں نے پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف Persecution کو تسلیم کیا اور ہمارے احمدیوں کے زیادہ سے زیادہ کیس نہ صرف پاس کئے بلکہ ہمارے کیس کے اگلے تمام مراحل انتہائی تیز رفتاری سے مکمل کئے اور اس طرح رفیوجی ہونے کی وجہ سے ایک تو ہمارے I.D.C میں قید افراد کو ضمانت (Bail) میں کافی مدد ملی اور دیگر مما لک کی طرف جانے کا مرحلہ بھی بہت تیزی سے مکمل ہو رہا ہے۔اس لحاظ سے اس ادارے کی محنت اور کوشش پر ہم سب ان کے مشکور ہیں۔

اور پھر اسی طرح King Of Thilanad ، یہاں کے وزیرِ اعظم اور امیگریشن کے اعلیٰ حکام، یہاں کی وزارتِ داخلہ، وزارتِ خارجہ، امریکہ،کینیڈا، یورپ کے سفارت خانوں اور B.R.C (بنکاک رفیوجی سنٹر) خاص کر شامل ہیں اسی طرح چند ہیومن رائیٹس نے بھی ہمارے احمدی احباب کی بہت مدد کی اور ہماری طرف سے خصوصی شکریہ کے حق دار ہیں،ان میں J.R.S ، میری نال، T.C.R، ہیومن رائیٹس آف تھائی لینڈ، ایشین ہیومن رائیٹس آف ہانک کانگ اور Asylum Access of Thailand کے وکلاء اور UNHCR کے افسرانِ بالا خاص طور پر شامل ہیں۔

ان تمام کے علاوہ بھی چند احمدی احباب جو بظاہر پردے کے پیچھے رہے مگر رات دن ہمارے لئے دُعائیں، محنت اور کئی طرح کا تعاون کرتے رہے اوراس مشن کو کامیابی تک پہنچانے میں اہم کردارادا کیا، وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔

یہاں آباد تقریباً ہر پاکستانی احمدی فرد کا کوئی نہ کوئی وہ محسن رشتہ دار جو بیرون ممالک سے ان کی ماہانہ مالی مدد کرتا رہا، خصوصی دُعاؤں کا مستحق ہے جیسا کہ خاکسار کو اس دوران محترم والد صاحب لیفٹیننٹ ریٹائرڈ قریشی محمد اسلم صاحب آف ربوہ اور چھوٹے بھائی عزیزم مظفر احمد ظفر صاحب آف امریکہ کا بھرپور مالی تعاون حاصل رہا۔خاکسار ان کا بے حد مشکور ہے۔

نیز چند مقامی تھائی لوگوں کے بھی ہم مشکور ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں ہماری مدد کی۔

اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں، اداروں اور این جی اوز کو اجرِ عظیم سے نوازے اور آئندہ بھی احسن رنگ میں مظلوم اور مجبور لوگوں کی مدد کی توفیق دیتا رہے۔آمین ثم آمین۔

والسلام

خاکسار

مدثر احمد نقاشؔ

ہجرت

(مدثر احمد نقاشؔ)

مجھے مت روکو! بس جانے دو مجھے قسمت کو آزمانے دو
میرے شہر کی اجڑی بستی میں میرے پیار کے چند کھنڈرات بچے
میرے دیس کی کچی گلیوں میں کچھ وحشت کے آثار بچے
میرے پھول چمن سب راکھ ہوئے میرے گھر کے فقط انگار بچے
میری ذات کے بکھرے ذروں کو مجھے اپنے ساتھ لے جانے دو
مجھے مت روکو! بس جانے دو مجھے قسمت کو آزمانے دو

یہ نفس فروشوں کی منڈی یہاں رہتے خوں کے پیاسے لوگ
خنزیر کی خصلت تھامے چند بَن باس کے بندر جیسے لوگ
قابض ہیں اب ممبر مسجد پر افسوس ہے کیسے کیسے لوگ
مجھے کیا لینا مجھے کیا دینا جہاں دین کی قیمت آنے دو
مجھے مت روکو! بس جانے دو مجھے قسمت کو آزمانے دو

مرے شہر پہ ہر سو پہرہ ہے کچھ دین کے ٹھیکیداروں کا
کہیں آنکھ اور دل کے اندھوں کا کہیں وطن کے کچھ غداروں کا
ایمان سے جن کے دل خالی اخلاص سے گم گفتاروں کا
پر یاد رکھو! اے بادہَ نشیں انجام کے بس دن آنے دو
مجھے مت روکو! بس جانے دو مجھے قسمت کو آزمانے دو

میں پریم نگر کا باسی اور چند خواب تھے میرا سرمایہ
کچھ بیج وفا و الفت کے یہاں سب سے چھپا کر تھا لایا
میرے ہاتھ چمکتا موتی اور میرے پاس تھا انمول سرمایہ
میرے بعد اگر پچھتائے تو کیا میری بات انہیں ٹھکرانے دو
مجھے مت روکو! بس جانے دو مجھے قسمت کو آزمانے دو

اب میری سوچ سے کوسوں دور مجھے پار سمندر جانا ہے
دنیا کے کنارے پر جا کر ایک ایسا شہر بسانا ہے
جہاں لوگ محبت بانٹیں گے جہاں امن کی برکھا برسے گی
ہر شاخ پہ کوئل بولے گی ہر پھول پہ تتلی اُترے گی

جہاں خواب حقیقت ہونے کا کچھ ایسا رُوپ دکھائیں گے
افلاک سے تارے روشنی کی خیرات کو لینے آئیں گے
جہاں کلمہٗ پڑھنے پر مسلم کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے گی
جہاں اپنی جنت کی خاطر معصوم پہ آگ نہ برسے گی

نہ حرمتِ دین کے فرضی نام پہ مسجد کو جلایا جائے گا
جہاں ربّ کے نام پہ بچوں کو نہ بم سے اڑایا جائے گا
توحید کے چند جاں باز یہاں کچھ ایسا سحر دکھائیں گے
تثلیث کے پیروکاروں کو توحید کا راگ سکھائیں گے

دنیا کے کنارے ہم سے ہی آذانِ صبح اب گونجے گی
اب ایک خلیفہ کے تابع مامور منادی گونجے گی
اسلام کے اصلی چہرے کا رنگ دنیا کو دکھلائیں گے
بس پیار محبت عدَل وَفا ہر ایک سے کرتے جائیں گے

اس انہونی کو ہونی میں تبدیل کرایا جائے گا
معشوق کے قدموں میں تارا سچ توڑ کے لایا جائے گا
تم دیکھو گے کہ انہیں میں سے قطراتِ محبت ٹپکیں گے
بس میری سوچ سے کوسوں دُور مجھے پار سمند جانے دو
مجھے مت روکو! بس جانے دو مجھے قسمت کو آزمانے دو

۞۞

اس خوف کی فضا میں ملے امن اور سکوں

گرتے ہیں روز عدل اور انصاف کے ستوں
اپنے مہاجرین کے حالات کیا لکھوں
بے چارگی پہ اشک بہاؤں یا مَیں ہنسوں
اس دردِ لادوا کا مداوا نہ کرسکوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

ہر روز کر رہے ہیں گرفتاریاں حضور
ہیں منتشر خیال تو اعصاب چکنا چور
ملزم ہیں ہم وطن میں تو مجرم وطن سے دُور
دیکھے ہماری آ کے کوئی حالتِ زبوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

بھاگے تھے جاں بچا کے بڑی مشکلوں سے ہم
جبراً دھکیلتے ہیں وہیں کیا ہے یہ ستم
مجبور و بے کسوں پہ خدایا کرم کرم
چھوٹے بڑے سبھی ہیں تِرے در پہ سرنگوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

ہم چور ہیں نہ چور کے بھائی نہ یار ہیں
وہ خوف و ڈر ہے اپنے گھروں سے فرار ہیں
ہم حق پرست پھر بھی سزاوارِ دار ہیں
سستا نہیں تھا اتنا بھی انسانیت کا خوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

بیمار دوستوں کو نویدِ شفا ملے
مُرشد سے بے کسوں کو دعا کی عطا ملے
اس لُو میں اور حبُس میں ٹھنڈی ہوا ملے
ممکن اگر ہو دوستوں کے غم خرید لوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

یہ نامراد ظلمتِ شب ٹوٹنے کو ہے
صبح و سکون و امن کی پَو پھوٹنے کو ہے
نقلی خدا سے اصلی خدا روٹھنے کو ہے
اس شُبھ گھڑی کو اپنی اِن آنکھوں سے دیکھ لوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

اِک وہ ہیں ظلم و جور سے آتے نہیں ہیں باز
قیدی ہیں ایک ہم کہ جنہیں قید پر ہے ناز
وکلاء جو ہیں نسیم ملکؔ، ڈاکٹر ایازؔ
ان کے بیاں کا زورِ بیاں کا مَیں کیا لکھوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

ہجرت کا داغ دل پہ لیا، کیا بُرا کیا
بے چارگی کا جام پیا، کیا بُرا کیا
اشکوں سے ہے جلایا دیا، کیا بُرا کیا
اس شہر بے چراغ میں، مَیں اَور کیا کروں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

ہم بے وطن ہیں پُشت پہ لیکن خدا تو ہے
دامن مسیحِ پاک کا پکڑا ہوا تو ہے
ہر شخص آج قدسیؔ سراپا دعا تو ہے
اس خوف کی فضا میں ملے امن اور سکوں
پیارے حضور! ہیں ابھی حالات جوں کے توں

(عبدالکریم قدسی)